الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہنامہ

اشرفیہ

مبارکپور

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے کہ جس کی مثال نہیں ملتی یہی وجہ ہے کہ چوٹی کے علماے عرب و عجم نے آپ کو چودھویں صدی کا مجدد قرار دیا۔ اگر ہم اعلیٰ حضرت کی بے مثال علمی اور تحقیقی خدمات کو ان کی ۶۵ سالہ زندگی پر تقسیم کریں تو ہر ۵ گھنٹے میں اعلیٰ حضرت اس امت کو ایک کتاب دیتے ہوئے نظر آتے ہیں، بلاشبہ یہ وہ خدمات ہیں جو کوئی ادارہ اور انسٹیٹیوٹ ہی کرسکتا ہے جسے بریلی کی سرزمین کے اس بوریہ نشیں نے تن تنہا کر دکھایا۔

مبارک حسین مصباحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ

اشرفیہ

مبارک پور

صفر المظفر 1443 | ستمبر 2021 | جلد: 45..... شمارہ 9

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی

منیجر: محمد محبوب عزیزی

تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی

مولانا محمد عبد المبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور

اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur. Azamgarh

(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 30 روپے

سالانہ (بذریعہ سادہ ڈاک) 300 روپے

سالانہ (بذریعہ رجسٹری) 600 روپے

چیک اور ڈرافٹ

بنام

ASHRAFIA MONTHLY

بنوائیں

کوڈ نمبر 05462

دفتر ماہنامہ اشرفیہ 250149

الجامعۃ الاشرفیہ 250092

دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلادیش، پاکستان، سالانہ

750 روپے

دیگر بیرونی ممالک

25 $ امریکی ڈالر 20 £ پونڈ

ASHRAFIA MONTHLY

A/c No. 3672174629

Central Bank Of India

Branch : Mubarakpur IFSC : CBIN0284532

اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنے کے بعد آفس کے نمبر پر فون کریں یا بذریعہ ڈاک مطلع کریں۔ (منیجر)

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

Email : ashrafiamonthly@gmail.com

mubarakmisbahi@gmail.com

info@aljamiatulashrafia.org

مولانا محمد ادریس مصباحی نے فیضی کمپیوٹر گرافکس، گورکھ پور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

نگارشات

اداریہ	جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند	مبارک حسین مصباحی	3
	قرآنیات		
تفہیم قرآن	جہالت کے نقصانات، قرآنی آیات کی روشنی میں	مولانا حبیب اللہ بیگ ازہری	5
	تحقیقات		
علمی تحقیق	حاشیہ نگاری کسے کہتے ہیں؟	محمد گل فراز مدنی	10
	فقہیات		
آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں علماے دین؟	مفتی محمد نظام الدین رضوی	12
	نظریات		
فکر امروز	بنگال میں مسلمانوں کے مسائل	مفتی محمد ساجد رضا مصباحی	14
	اسلامیات		
شعاعیں	دل کی بے چینی کا سبب ہے خواہشوں کا حد سے بڑھ جانا	ڈاکٹر رضاء الرحمٰن عاکف سنبھلی	17
	صوفیات		
بزم تصوف	حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی کی چند تصانیف و ملفوظات (قسط:۲)	مبارک حسین مصباحی	18
	رضویات		
نقشِ حیات	سیرتِ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی	علامہ شاہ تراب الحق قادری	24
فکر و فن	حضرت رضا بریلوی کی اردو نثر نگاری	مولانا عبد الرحمٰن پٹیل، گجرات	29
	شخصیات		
انوار حیات	حافظ محمد عمر اشرفی مبارک پوری- داستانِ حیات کے چند عشق انگیز پہلو (آخری قسط)	مہتاب پیامی	31
	سیاسیات		
آئینۂ وطن	بھارت میں تحفظ ناموسِ رسالت کی تحریک	مولانا محمد ظفر الدین برکاتی	37
	بزم دانش		
فکر و نظر	سوشل میڈیا کے مثبت نتائج	حسن اکبر/عبد الرحمٰن/ڈاکٹر اسماعیل بدایونی	39
	ادبیات		
تعارف و تجزیہ	مسک الختام فی اقضیۃ الاسلام- تعارف و تجزیہ	مبارک حسین مصباحی	43
خیابان حرم	منظومات	علامہ محمد شفیع مبارک پوری علیہ الرحمہ/سید محمد نور الحسن نور نوابی/ثاقب قمری	51
	وفیات		
سفر آخرت	اخلاق و کردار کا وصفِ جمیل جاتا رہا	قمر اخلاق امجدی	52
	آہ! سرزمینِ بلگرام کا آفتابِ رشد و ہدایت غروب ہو گیا	سید صابر حسین شاہ بخاری قادری	53
	مکتوبات		
صدائے بازگشت	سید صابر حسین شاہ بخاری قادری/رحمت اللہ مصباحی		54
	سرگرمیاں		
خیر و خبر	سمنانی میاں کے لیے دعاے صحت کا اہتمام/مولانا مسرور عالم کے انتقال پر تعزیتی نشست/علما و مشائخ کے وفد کی الجامعۃ الاشرفیہ میں آمد		56

۷۸۶

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند

مبارک حسین مصباحی

تاریخی سچائیاں حقائق پر مبنی ہوتی ہیں، دنیا جہان کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے، اسی نے سب سے پہلے اپنے آخری رسول مصطفیٰ ﷺ کے نور کو پیدا فرمایا، وہی نور بے شمار برس تک گاہے بہ گاہے جگمگاتا رہا، پھر اس سے اللہ تعالیٰ نے درجہ بہ درجہ سب کو پیدا فرمایا۔ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا اور رسولوں کی تخلیق فرمائی۔ آخری نبی اور آخری رسول مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ بحیثیت پیغمبر تشریف لائے۔ آپ کی ولادت با سعادت خاتون جنت حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن مبارک سے 20 اپریل 571ء میں ہوئی۔ وہ دن پیر کا دن تھا اور وقت صبح صادق تھا۔

سچے عاشقِ رسول امام احمد رضا محدث بریلوی نے کیا عرض کیا ہے۔

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا　　　صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

انسانی دنیا میں آپ ﷺ کی جلوہ گری رحمتوں کی چھتر چھایا میں ہوئی۔ آپ ﷺ کا وجود مسعود سراپا معجزہ تھا۔ دنیا کا ہر بچہ روتا ہوا پیدا ہوتا ہے، مگر ہم سب کے آقا و مولا کے نازک لبوں پر مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ آپ کی شیریں زبان پر "رب ھب لی امتی، رب ھب لی امتی" کے مقدس کلمات جاری تھے۔ پیدا ہوتے ہی آپ نے اپنا سر اقدس سجدے میں رکھ دیا اور تسبیح میں انھیں بابرکت کلمات کا ورد فرما رہے تھے۔ آپ کے عہد شیر خوارگی کی کثیر حیرت انگیز اور انوکھی چیزیں ہیں جنھیں ہم اسلامی اصطلاح میں معجزات کہتے ہیں۔

آپ کی نسبی پاکیزگی بھی پوری دنیا میں سب سے اعلیٰ اور برتر ہے۔ سیدنا حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا: "میرے حسب و نسب میں جاہلیت کی بداعمالیاں موجود نہیں اور میں صرف نکاحِ اسلام سے پیدا ہوا ہوں۔"

[انسان کامل، ص:13]

ہشام ابن محمد الکلبی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: "میں نے حضور اقدس ﷺ کی پانچ سو مائیں لکھیں تو میں نے ان گرامی قدر ہستیوں میں سے کسی میں بھی جاہلیت کی برائیاں نہیں پائیں۔"

پوری دنیا کا ہر بندۂ مومن یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ کا بدن مبارک اس طرح بنایا کہ نہ آپ سے پہلے کوئی بدن ظہور میں آیا اور نہ قیامت تک کوئی دوسرا بدن ایسا ہوگا۔ آپ کے جسم پاک کا ایک ایک عضو بے مثال تھا۔ ترمذی شریف میں آپ کے چہرۂ انور کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ "آپ ﷺ کا چہرۂ انور اس قدر چمک دمک والا تھا کہ گویا اس مقدس چہرۂ اقدس میں سورج رواں دواں ہے"۔ ترمذی شریف کی حدیث صحیح ہے کہ "ایک چاندنی رات میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سرورِ دوعالم ﷺ کی زیارت کرنا شروع کی، آپ فرماتے ہیں کہ میں باعثِ تخلیق عالم ﷺ کو دیکھتا اور چاند کو بھی، لیکن آپ ﷺ مجھے چاند سے کہیں زیادہ حسین و جمیل اور خوب صورت نظر آتے۔

پیکرِ جمال، نبیِ آخر الزماں ﷺ کے رخسار انتہائی موزوں تھے، چشمان مبارک پر نور اور سراپا نور تھیں، صحیح حدیثِ پاک میں ہے کہ حضور ﷺ رات کے اندھیرے میں بالکل اسی طرح ملاحظہ فرماتے جس طرح دن کے اجالے میں مشاہدہ فرماتے۔ آپ اپنے پیچھے بھی اسی طرح دیکھتے جیسے سامنے ملاحظہ فرماتے۔ امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ "حضور پر نور ﷺ کی آنکھیں بڑی، بھنوؤں اور ابروؤں کے کافی بالوں والی اور سرخ رنگ والی تھیں"۔ حضرت مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کی مبارک اور بے مثال پیشانی

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

واضح، نمایاں اور کھلی تھی۔ بینی مبارک بھی حسن کی پیکر تھی، سامنے سے سیدھی، بلند، درمیان سے انتہائی تناسب سے ڈھلی ہوئی۔ چہرۂ اقدس انتہائی طیب و پاکیزہ اور حسین و جمیل تھا، آپ کے دانت مبارک موتیوں کی مانند چمکتے تھے۔

آپ ﷺ کا وجودِ ناز بہت زیادہ شان و شوکت والا تھا، ترمذی شریف میں ہند بن ابوہالہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ شان و شوکت اور بہت ہی جلالت و ہیبت والے تھے۔ شمائل ترمذی میں انھیں سے مروی ہے کہ ”جب حضور ﷺ گفتگو فرماتے تو حضور کی بارگاہ اقدس میں موجود حاضرین اپنے سروں کو یوں جھکالیتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔

شہیدِ کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضور مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا ہمیشہ اپنے ہم مجلس لوگوں کے ساتھ کیا رویہ ہوتا تھا؟ تو انھوں نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ خندہ روئی، نرمی اور مہربانی سے پیش آتے، آپ نہ بد اخلاق تھے اور نہ ترش رو، مجلس میں بلند آواز سے چیخ چیخ کر ہرگز نہ بولتے، کوئی برا کلمہ ادا نہ کرتے، کسی انسان، حیوان یا طعام میں عیب نہ نکالتے، کسی معاملے میں تنگی و دشواری پیدا نہ کرتے، دنیوی اشیا کی تعریف میں مبالغہ نہ کرتے اور نہ بہت زیادہ ہنسی مذاق کرنے والے تھے۔

اگر کبھی کسی سے مجلس میں کوئی ایسی بات سرزد ہو جاتی جو آپ کو پسند نہ ہوتی تو اس سے تغافل برتتے، کسی نے آپ سے کوئی امید لگائی ہوتی تو اسے مایوس نہ فرماتے۔

آپ نے تین چیزوں کو اپنے لیے متروک کر رکھا تھا، جھگڑا کرنا، کثرت طلبی اور لایعنی گفتگو، اسی طرح آپ نہ کسی کی مذمت کرتے، نہ کسی کا عیب بیان کرتے اور نہ کسی کی شرم گاہ پر نظر ڈالتے، وہی کچھ بولتے جس کے لیے لوگ آپ سے عرض کرتے، بات کرتے تو سامعین خاموش ہوتے کہ جیسے ان میں جان ہی نہیں، آپ گفتگو ختم کر لیتے تو وہ بولتے اور کبھی آپ کی موجودگی میں کسی بات پر باہم اختلاف نہ کرتے، آپ کی مجلس میں جو شخص بولتا تو اس وقت تک نہ بولتے جب تک وہ شخص بات ختم نہ کر لیتا آپ کی مجلس میں وہی شخص پہلے بولتا جو پہلے آیا ہوتا، جس بات پر اہل مجلس ہنستے آپ بھی ان کے ساتھ تبسم فرماتے اور جس بات پر وہ حیران ہوتے آپ اظہار حیرانگی فرماتے۔

آپ اجنبی لوگوں کے کھردرے سوالات کو خندہ پیشانی سے سنتے اور ان کا جواب دیتے اور آپ کے صحابہ اجنبی لوگوں کو آپ کی خدمت میں لے آتے تاکہ وہ سوالات کریں اور رسول اللہ ﷺ کے جوابات سے مستفید ہوں، آپ فرماتے تھے جب تم کسی ضرورت مند کو دیکھو تو اس کی ضرورت پوری کرنے میں اس کی مدد کرو، آپ صرف اس شخص سے اپنی تعریف کو قبول کر لیتے تھے جو تعریف میں افراط و تفریط سے کام نہ لیتا ہو، آپ کسی کی بات کو نہیں کاٹتے تھے۔ اگر کوئی گفتگو میں حد سے تجاوز کرتا تو اسے منع کر دیتے یا وہاں سے اٹھ جاتے۔

آپ اہل باطل کی حماقتوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے ان کے اقوال کے ظاہر کو قبول کر لیتے تھے، اگرچہ ان کی باتوں سے ان کے مذموم عزائم کا پتہ چل رہا ہوتا، اسی ضمن میں ایک واقعہ ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت آپ کے پاس آئی تو السلام علیکم کے بجائے السام علیکم کہا (تم پر ہلاکت ہو) تو حضرت عائشہ نے ان کے جواب میں علیکم السام واللعنۃ (تم پر ہلاکت اور لعنت ہو) کہا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا آپ نے نہیں سنا، انہوں نے کیا کہا ہے۔ آپ نے فرمایا، میں ان کو جواب دے چکا ہوں وعلیکم۔ اسے مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ایسا خطبہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے پہلے کبھی ان سے نہ سنا تھا، آپ نے اس خطبہ میں فرمایا: اگر تم یہ جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو تم تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے۔

پھر فرمایا: میرے سامنے جنت اور دوزخ کو پیش کیا گیا، تو میں نے آج کے روز کی طرح خیر و شر نہیں دیکھا اور اگر تم وہ جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو ہنستے کم اور روتے زیادہ، صحابہ پر اس سے سخت دن کبھی نہیں آیا اور وہ سر ڈھانپ کر روتے رہے۔

اس حدیث میں آپ کے خوفِ خدا کی بڑی دلیل ہے اور اس میں خوف خدا سے آپ کے کثرت گریہ کا ذکر موجود ہے۔

آپ کی خشیت کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حضور انکسار و تواضع اختیار کرتے ہی ہر جگہ، ہر حال اور ہر نماز میں خشیتِ الٰہی آپ

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

پر طاری رہتی۔ آپ کا خشوع اس قدر تھا کہ نماز کے دوران آپ کے بطن مبارک سے ہانڈی کے جوش مارنے کی سی آواز آتی تھی۔

احادیث نبویہ اور دیگر کتبِ سیرت کے حوالے سے آپ نے ہم سب کے آخری رسول ﷺ کی سیرت پاک اور ان کے حسین کردار کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔ بلا شبہہ نبی آخر الزماں ﷺ کی ذات دنیا میں سب سے آخر میں جلوہ گر ہوئی، مگر آپ کے نور کو خدائے بزرگ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا: أول ما خلق الله نوری. یعنی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کی تخلیق فرمائی، خیر یہ ایک طویل حدیث کا مختصر جزء ہے، آپ کی ذات اور آپ کی صفات سراپا معجزہ تھیں۔ آقا حضور ﷺ نے ایسے دور میں جلوہ گری فرمائی کہ دنیا میں کفر و شرک اور ظلم و ستم کی فراوانی تھی، اہلِ کتاب تھے مگر انھوں نے اپنے نبیوں پر نازل ہونے والی آسمانی کتابوں میں تبدیلیاں کرلی تھیں۔ توحید ربانی کا سب سے بڑا مرکز خانہ کعبہ بتوں کا مرکز بن چکا تھا۔ عرب میں باپ چھوٹی چھوٹی بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ ہندوستان میں اگر شوہر مرجاتا تو اس کی بیوی کو اسی شوہر کے ساتھ نذر آتش کر دیا جاتا، مردوں کو غلام اور عورتوں کو باندی بنا لیا جاتا تھا۔

ہمارے آقا حضور ﷺ تشریف لائے، آپ کی ذات سراپا رحمت و برکت تھی، آپ پر اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن عظیم کو نازل فرمایا، اس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ؕ" (المائدہ:3)

ترجمہ: آج میں نے تمھارے لئے تمھارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمھارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنۡ کَانَ یَرۡجُوا اللّٰہَ وَ الۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَ ذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیۡرًا.
(الاحزاب:21)

ترجمہ: بیشک تمھیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کے لیے کہ اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے۔

بلا شبہہ ہمارے آقا ﷺ قیامت تک کے لیے نبی بن کر آئے، قرآن عظیم بلا شبہہ ہمارے رسول ﷺ کا ایک زندہ معجزہ ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوئی، زیر وزبر کا بھی فرق نہ ہو سکا، اس لیے ہم بڑے ادب سے امتِ مسلمہ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ اس وقت پندرہویں صدی ہجری چل رہی ہے، بظاہر دنیا نے سائنس اور ٹکنالوجی میں حیرت انگیز ترقی کی ہے، ان تمام ترقیوں نے انسانی دنیا کو آسانیاں بھی فراہم کی ہیں، مگر اسی کے ساتھ دورِ جاہلیت کی برائیاں بھی پلٹ کر آرہی ہیں، پہلے باپ بچیوں کے پیدا ہونے کے بعد درگور کرتے تھے، مگر اب ماں کے پیٹ ہی میں ضائع کر دیتے ہیں، آج بھی دنیا میں لاکھوں بچیوں کو ضائع کیا جارہا ہے، عورتیں پہلے رسومِ جاہلیت کی وجہ سے برہنہ رہتی تھیں، اب جدید دور میں فیشن کے نام پر ننگی رہتی ہیں۔ حکومت، سیاست، معیشت اور معاشرت ہر رخ پر انسان قباحتوں کا خوگر ہو گیا ہے۔ انسان انسان پر ظلم کر رہا ہے، کل انسانوں کے بدنوں کو غلام بنایا جاتا تھا، اب ذہنی اور فکری غلامی کا دور دورہ ہے۔

اس لیے ہم عالمِ اسلام سے بڑے ادب سے عرض گزار ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کتابِ ہدایت بھی عطا فرمائی اور سیرتِ رسول ﷺ کی شکل میں عملی نمونہ بھی۔ ہر سال بارہ ربیع الاول شریف تشریف لاتا ہے، سیرت النبی ﷺ کے جلسے بھی ہوتے ہیں اور بڑی شان کے ساتھ جلوس عید میلاد النبی ﷺ بھی نکلتے ہیں۔ نعرے لگانا بھی عشق و محبت کی دلیل ہے، مگر سچا عشق یہ ہے کہ ہم نمازی بنیں، روزے رکھیں، بہ شرائط مخصوصہ زکوٰۃ ادا کریں، اپنے کردار و اخلاق میں پیکر اخلاق رحمت دارین کی عملی تصویر بنیں۔ ہم دعوت و تبلیغ کا فریضہ تحریر و تقریر سے بھی انجام دیں اور رسول کریم ﷺ کی طرح اپنے کردار و اخلاق سے بھی انجام دیں۔ باعمل انسان جب کوئی بات پیش کرتا ہے تو اس میں تاثیر ہوتی ہے اور مدعو کے دل پر اس کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے اور اپنے بھائیوں کو چلانے کی توفیق خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

اب ہم شیدائے مصطفیٰ حضرت شیخ سعدی شیرازی کے ان اشعار پر اپنی تحریر پر تنویر کرتے ہیں۔

بلغ العلیٰ بکمالہ - کشف الدجیٰ بجمالہ حسنت جمیع خصالہ - صلوا علیہ و آلہ

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

تفہیم قرآن — آخری قسط

جہالت کے نقصانات

قرآنی آیات کی روشنی میں

مولانا حبیب اللہ بیگ ازہری

2- اللہ رزاق ہے، ہر جان دار کی روزی اسی کے ذمۂ کرم پر ہے، لیکن جو لوگ اللہ کی رزاقیت کا مفہوم نہیں سمجھتے تھے وہ بے روزگاری کی خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دیا کرتے تھے، جاہلانہ حمیت کی بنیاد پر بچیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے، اسی ناحق قتل کے بارے میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ○ (سورۂ انعام، 140)

وہ لوگ خسارے میں ہیں جنھوں نے اپنی اولاد کو جہالت اور نادانی کی بنیاد پر قتل کر دیا، اور اللہ پر افترا باندھتے ہوئے اس کے عطا کردہ رزق کو حرام کر دیا، یہ لوگ راہ راست سے منحرف ہو گئے، اور ہدایت پانے والے نہیں تھے۔

اس آیت کے مطابق بے روزگاری کے خوف سے اولاد کو قتل کرنا، یا ذلت و رسوائی کا بہانہ بنا کر بچیوں کو زندہ درگور کر دینا جہالت اور نادانی ہے، کیوں کہ بچیوں کے وجود کو منحوس سمجھنا اور انھیں اپنے لیے باعث ننگ و عار سمجھنا کسی باشعور انسان کا کام نہیں ہو سکتا، یوں ہی جن بچوں کے تعاون سے مستقبل قریب یا بعید میں روزگار کے مسائل حل ہو سکتے ہیں انھی کو بے روزگاری کے خوف سے قتل کر دینا کسی عقل مند کا کام نہیں ہو سکتا۔

3- جہالت و بے حیائی کی ایک واضح مثال بدکاری ہے، بدکاری کتنی بڑی جہالت ہے اسے سورۂ یوسف میں یوں بیان کیا گیا:

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ○ (سورۂ یوسف، 33)

زنان مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو لبھانا چاہا تو آپ نے پروردگار عالم کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے میرے رب! یہ جس چیز کی طرف بلا رہے ہیں میرے نزدیک قید خانہ اس سے زیادہ پسند ہے، اگر تو نے مجھ سے ان کے فریب کو نہیں پھیرا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا، اور جاہلوں جیسا ہو جاؤں گا۔

انبیاے کرام قبل نبوت اور بعد نبوت تعمد صغائر اور ارتکاب کبائر سے معصوم ہوتے ہیں، لہٰذا اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالے سے جو کچھ بیان ہوا وہ اللہ کے حضور تواضع اور فروتنی سے عبارت ہے، اور بندوں کو اس بات کی تعلیم دینے کے لیے ہے کہ نفس و شیطان ہمیشہ بندے کے ساتھ لگے رہتے ہیں، اسی لیے ایسے معاملات میں نفس پر بھروسا کرنے کے بجائے اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

اس آیت میں عورتوں سے دلچسپی اور غیر شرعی تعلقات کو جہالت سے تعبیر کیا، اس لیے کہ جو شی جائز اور مشروع طریقے پر حاصل ہو سکتی ہو اسے حرام اور گناہ کے ذریعے حاصل کرنا صرف جہالت ہی نہیں بلکہ حماقت بھی ہے۔

4- جہالت و بے حیائی کی ایک اور مثال اغلام بازی ہے، اور یہ ایسا گناہ جس کی نظیر دوسرے جانداروں میں بھی نہیں ملتی، فرمایا:

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ○ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ○ (سورۂ نمل، 54-55)

اور ہم نے لوط کو بھیجا تو انھوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم اپنی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بدکاری کا ارتکاب کرتے ہو؟ کیا تم عورتوں کے بجائے مردوں سے اپنی شہوت پوری کرتے ہو؟ بلکہ تم جاہل ہو۔

اس آیت مبارکہ میں لڑکوں کے ساتھ بے حیائی کو جہالت اور انتہائی گھناؤنی حرکت قرار دیا، کیوں کہ نظام فطرت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے ہر ذی روح کے لیے جوڑا بنایا ہے، اور اسی جوڑے کی آپسی ملاقات سے توالد و تناسل کا سلسلہ جاری کیا ہے، لہٰذا جو اس نظام فطرت کا پابند ہوگا تو وہ علم و معرفت کے راستے پر ہوگا، اور جو اس قانون فطرت کو توڑ کر اپنے ہم جنس سے تعلقات استوار کر لے اس کے عمل کو نری جہالت اور فطرت کے ساتھ کھلی ہوئی بغاوت قرار دیا جائے گا۔

5- خرید و فروخت کے معاملے میں ذرا سی بے توجہی بسا

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

اوقات بہت بڑے خسارے کا باعث بن جاتی ہے، بلکہ دنیا وآخرت میں بربادی کا سبب بن سکتی ہے، ایسے خسارے کے سودے جہالت ولاعلمی کے نتیجے میں انجام پاتے ہیں، ارشاد باری ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○(سورۂ لقمان،6)

کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں، تاکہ بغیر سوچے سمجھے اللہ کے راستے سے پھیر دیں، اور راہ حق کا مذاق بنائیں، ان کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔

تفسیر نسفی میں ہے کہ یہ آیت نضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی جو شاہان فارس کے احوال پر مشتمل کتابیں خرید کر لاتا، لوگوں کو پڑھ کر سناتا اور پیغمبر اسلام کا نام لے کر کہتا کہ یہ تم کو عاد وثمود کے واقعات سناتے ہیں، میں تمھیں شاہان فارس کے واقعات سناتا ہوں، پھر دین اسلام کا مذاق بناتا۔

قرآن کریم نے نضر بن حارث کے اس عمل کو جہالت اور گمراہ گری سے تعبیر کیا، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت حق پر گمراہی کو ترجیح دینا، قرآنی واقعات کا شاہان فارس اور رستم واسفندیار کے واقعات سے تقابل کرنا جہالت ہے، مزید یہ کہ پیسے لگا کر فضول باتوں پر مشتمل کتابیں خریدنا، اور لوگوں کو گمراہ کرنا جہالت بھی ہے اور عاقبت نااندیشی بھی۔

ان آیات بینات سے واضح ہو گیا کہ جہالت، عقائد واعمال کو برباد کر دیتی ہے، جہالت کی بنیاد پر انسان کبر ونخوت کا خوگر ہو جاتا ہے، بے قصور اولاد کو قتل کر دیتا ہے، اللہ کی تقسیم اور رزاقیت پر بھروسا نہیں کرتا، بدکاری اور بے حیائی کا ارتکاب کرتا ہے، اس طرح نہ جانے ایک ساتھ کتنے جرائم ہیں جو محض جہالت اور ناخواندگی کی بنیاد پر پروان چڑھتے ہیں، اسی لیے ایمان وعمل کی حفاظت کے لیے جہالت سے دوری اختیار کرنا ضروری ہے۔

جہالت اور بد خلقی: جہالت صرف عقائد واعمال کو متاثر نہیں کرتی، بلکہ اخلاق وکردار بھی متاثر کر دیتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جاہل کی دوستی پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ جاہل سے کسی خیر کی توقع رکھنا بجائے خود ایک بہت بڑی جہالت ہے، بہر حال اخلاقی گراوٹ اور فکری زبوں علمی میں جہالت کا کیا حصہ ہے اس کے لیے ہم یہاں دو آیتیں پیش کریں گے۔

1- جہالت ہم دردی، خیر خواہی اور رشتۂ اخوت کے تمام تقاضوں کو بھلا دیتی ہے، سورۂ یوسف میں ہے:

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ○(سورۂ یوسف،89)

عزیز مصر نے کہا: تمھیں معلوم ہے کہ تم نے نادانی میں یوسف اور ان کے بھائی کے ساتھ کیا کیا؟

اس سوال نے واضح کر دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ان کے بھائیوں نے جو کچھ کیا جہالت کی بنیاد پر کیا، کیوں کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے مقام ومرتبے سے ناآشنا تھے، اخوت وبھائی چارگی کے تقاضوں سے بے خبر تھے، ہم دردی، خیر خواہی اور اصاغر نوازی کے مفہوم سے نابلد تھے، اسی لیے انھوں نے اپنے بھائی کو والدین کی آغوش محبت سے چھین لیا، انھیں بے رحمی کے ساتھ کنویں میں پھینک دیا، پھر سستے داموں میں اجنبی لوگوں کے ہاتھوں فروخت کر دیا، جس کے بعد انھیں بڑے صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑا۔ اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہمیشہ ان کے ساتھ بد خواہی کرتے رہے، اور دونوں بھائیوں پر چوری کا الزام لگا کر انھیں سب وشتم کا نشانہ بناتے رہے۔ انھوں نے یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ وہ جاہل تھے، انجام سے بے خبر تھے، اللہ کے حضور حاضری اور باز پرس سے غافل تھے۔

2- جہالت اور بد خلقی کی ایک اور مثال عام زندگی میں دیکھی جا سکتی ہے، سورۂ بقرہ میں ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○(سورۂ بقرہ،273)

یعنی ان نادار صحابہ کے لیے خرچ کرو جو اللہ کی راہ میں روک دیے گئے، وہ زمین میں چل نہیں سکتے، چوں کہ وہ سوال نہیں کرتے اسی لیے جاہل انھیں تونگر سمجھتے ہیں، تم انھیں ان کے خدوخال سے پہچان لو گے، وہ لوگوں سے اصرار کے ساتھ سوال نہیں کرتے، اور تم جو بھی خرچ کرو گے اللہ اسے جانتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں غریب ونادار صحابہ کی خود داری کا ذکر ہے، جو غیرت وقناعت کی بنیاد پر کسی سے کچھ نہیں مانگتے، لیکن اس کیفیت سے ارباب نظر الگ نتیجہ اخذ کرتے ہیں، اور جاہل الگ اخذ کرتے ہیں، ارباب نظر اور اصحاب فراست ان غیرت مند نادار صحابہ کی ضرورت کو سمجھ لیتے ہیں اور حسب حیثیت ان کی مدد بھی کرتے ہیں، لیکن جاہل نہ ان کا درد محسوس کرتے ہیں اور نہ ان کا تعاون کرتے ہیں، بلکہ الٹے یہ سمجھتے ہیں یہ تو بڑے مال دار اور ثروت مند ہیں، تبھی تو کسی سے اپنی ضرورت بیان نہیں کرتے اور کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔

براہو جہالت کا، جہالت کی آغوش میں پلنے والے کسی کے انداز اور چہرے سے اس کا درد محسوس نہیں کرتے، کسی ضرورت مند کی مدد کے لیے دست تعاون نہیں بڑھاتے، اور اس سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ کوئی بلاوجہ سوال کرے تو اسے ضرورت مند سمجھ کر اس کی مدد کرتے ہیں، اور کوئی غیرت و خود داری کی بنیاد پر خاموش رہے تو اسے خوش حال سمجھ کر اس سے بے پرواہ ہوجاتے ہیں۔ ظاہر سی بات ہے کہ ایسے جاہل نہ دوستی کے لائق ہوسکتے ہیں اور نہ ان سے کسی خیر کی توقع کی جاسکتی ہے۔

جہالت اور غلط فیصلے: جہالت ولاعلمی میں لیے جانے فیصلے عموماً غلط ہوتے ہیں، بعض دفعہ لمحوں کی خطا برسوں کی سزا بن جاتی ہے، اسی لیے حکم یہ ہے کہ کسی بھی فیصلے میں جلدبازی نہ کی جائے، ہرکس وناکس کی بات پر اعتماد نہ کیا جائے، زیر بحث معاملے کے ہر پہلو پر سنجیدگی سے غور کرنے کے بعد دانش مندانہ قدم اٹھایا جائے، اس میں ہر فریق کے کے لیے راحت وآسانی ہوگی، ارشاد باری ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ○

(سورۂ حجرات، 6)

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمھارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح جانچ لو، کہ کہیں تم انجانے میں کسی قوم کو تکلیف پہنچادو، پھر اپنے کیے پر کف افسوس ملتے رہ جاؤ۔

تفسیر نسفی میں ہے کہ یہ آیت حضرت ولید بن عقبہ کے حق میں نازل ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے آپ کو بنی مصطلق کے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا، حضرت ولید اور بنی مصطلق کے درمیان زمانہ جاہلیت میں کچھ اختلافات تھے، جب آپ قبیلے کے قریب پہنچے تو کئی لوگ آپ کے استقبال کے لیے آگے بڑھے، آپ نے سمجھا کہ پرانی عداوت کی بنیاد پر قتل کے لیے آرہے ہیں، اسی لیے آپ واپس ہوگئے، اور رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کی کہ یہ لوگ میرے قتل کے درپے ہوگئے، اور صدقہ بھی نہیں دیا، رسول اللہ ﷺ نے تحقیق حال کے لیے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا، آپ نے دیکھا کہ وہ لوگ اذان کہہ رہے ہیں، نماز ادا کررہے ہیں اور انھوں نے صدقہ بھی دے دیا، تو حضرت ولید نے واپس لوٹ کر سارا مال خدمت اقدس میں پیش کردیا، اور حقیقت حال بیان کردی، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور حکم ہوا کہ بلاتحقیق کوئی بات قبول نہ کی جائے، تاکہ انجانے میں کسی کو تکلیف نہ پہنچ جائے۔

اس واقعہ پر غور کریں کہ اگر تائید غیبی حاصل نہ ہوتی تو معمولی سی غلط فہمی کی بنیاد پر کشت وخون کی نوبت آجاتی، اور مسلمان آپس میں دست وگریباں ہوجاتے، آج بھی لاعلمی، ابلہی، ناتجربہ کاری، جلدبازی اور غیر سنجیدہ فیصلوں کی بنیاد پر ایسے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں، اسی لیے ہمیشہ علم وتحقیق کا دامن تھامے رہنا چاہیے، احتیاط اور دور اندیشی سے کام لینا چاہیے، اسی میں عافیت اور بھلائی ہے۔

جہالت کا علاج: مذکورہ بالا آیات وواقعات سے جہالت کے خطرات اور نقصانات کا بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا، اب آئیے قرآن کریم میں اس کا حل تلاش کرتے ہیں، اس سلسلے میں قابل غور بات یہ ہے کہ کچھ لوگ جاہل ہوتے ہیں، اور ان کی جہالت ان کے لیے پریشانی کا باعث ہوتی ہے، اور کچھ لوگ وہ ہیں جو جاہل تو نہیں ہوتے لیکن ان کا سابقہ جاہلوں سے پڑتا ہے، اور ان جاہلوں کی جہالت خطرے کا باعث ہوتی ہے، قرآن کریم نے دونوں طرح کی جہالتوں کا بہترین حل عطا فرمایا۔

جو لوگ جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں ان کے لیے جہالت کے ممکنہ خطرات سے بچنے کا سب سے بہترین راستہ قرآن اور اسلام ہے، کیوں کہ قرآن کریم نے دور جاہلیت کے تمام غلط رسومات کا خاتمہ کیا، اور اسلامی تعلیمات کی شکل میں بہترین نظام زندگی عطا فرمایا، قرآن مقدس نے اللہ ورسول کی اطاعت وفرماں برداری کی تعلیم دی، اور دور جاہلیت کی عادات ورسومات سے اجتناب کی دعوت دی، بطور خاص ان چار چیزوں سے منع فرمایا۔

1–اللہ کے بارے میں دور جاہلیت کے جیسا گمان نہ کیا جائے، اس لیے کہ یہ گمان بندے کو گمراہیت کی طرف لے جاتا ہے، فرمایا:

یَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِیَّةِ ○

(سورۂ آل عمران، 154)

منافق اللہ کے بارے میں دور جاہلیت کی طرح غلط گمان رکھتے ہیں۔

2– دور جاہلیت کے مطابق فیصلے نہ کیے جائیں، کیوں کہ یہ فیصلے ظلم وزیادتی، کبر ونخوت اور نسلی امتیاز کو فروغ دیتے ہیں، فرمایا:

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِیَّةِ یَبْغُوْنَ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ○ (سورۂ مائدہ، 50)

کیا یہ دور جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں، اور یقین والوں کے لیے اللہ سے بہتر کس کا فیصلہ ہوسکتا ہے؟

3–دور جاہلیت کی عصبیت سے اجتناب کیا جائے، اس لیے کہ ایسی عصبیت آپسی رنجش اور خانہ جنگی کو ہوا دیتی ہے، فرمایا:

اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ۔ (سورہ فتح، 26)

کافروں نے اپنے دلوں میں دور جاہلیت کی عصبیت کو جگہ دی۔

4– دور جاہلیت کی بے پردگی سے گریز کیا جائے، اس لیے کہ اس سے ماحول پراگندہ ہوتا ہے، اور گناہ کے امکانات بڑھ جاتے ہیں، فرمایا:

وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی۔ (سورہ احزاب، 33)

اپنے گھر میں رکی رہو، اور دور جاہلیت کی طرح زینت کی نمائش نہ کرو۔

اس طرح قرآن کریم نے جہالت ولاعلمی کی مصیبت سے نجات پانے کا آسان راستہ بتایا، اور ایک کامیاب اور بامقصد زندگی جینے کا شعور عطا فرمایا، ساتھ ہی ساتھ اس بات کی بھی تعلیم دی کہ اگر کسی جاہل سے سابقہ پڑ جائے تو اس سے مت الجھو، کیوں کہ جاہلوں سے الجھنا کوئی عقل مندی نہیں ہے، فرمایا:

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا○ (سورہ فرقان، 63)

اللہ کے نیک بندے زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں، اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہماری طرف سے آپ کو سلام اور بس۔

ایک دوسرے مقام پر ہے:

وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ○ (سورہ قصص، 55)

اور جب وہ لغو ولایعنی بات سنتے ہیں تو منھ پھیر لیتے ہیں، اور کہتے ہیں ہمارے اعمال ہمارے ساتھ، تمھارے اعمال تمھارے ساتھ، تم کو سلام، ہم جاہلوں کی صحبت نہیں چاہتے۔

بات در اصل یہ ہے کہ جاہلوں کی صحبت اور ان کی گفتگو کے منفی اثرات بہت جلد مرتب ہوتے ہیں، ان کی نامناسب اور غیر شرعی حرکتوں سے مزید نقصانات کا اندیشہ ہے، اسی لیے ان سے الجھنے کے بجائے سلام کرکے الگ ہوجانے ہی میں عافیت ہے۔ بخاری شریف، کتاب التفسیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ عیینہ بن حصن بن حذیفہ آئے، اور اپنے بھتیجے حر بن قیس کے پاس قیام کیا، اور حر بن قیس حضرت عمر کے قریبی لوگوں میں سے تھے، حضرت عمر کی مجلس مشاورت کے ارکان اہل علم ہوا کرتے تھے، خواہ جوان ہوں یا بزرگ، عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا، بھتیجے! آپ کی امیر المومنین کے پاس بڑی اہمیت ہے، ان سے میرے لیے اذن حضوری طلب کرو، حر بن قیس نے ہاں کہا، حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حر بن قیس نے عیینہ کے لیے اجازت طلب کی، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت دے دی، پھر عیینہ حاضر بارگاہ ہوئے، اور کہا:

هِیَ ابْنَ الْخَطَّابِ فَوَ اللهِ مَا تُعْطِیْنَا الْجَزْلَ وَلَا تَحْكُمُ بَیْنَنَا بِالْعَدْلِ.

او ابن خطاب! بخدا آپ ہمیں بہت زیادہ نہیں دیتے، اور ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ نہیں کرتے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ غضب ناک ہوگئے، اور عیینہ کو سرزنش کرنا چاہا تو حضرت حر بن قیس نے کہا: امیر المومنین! اللہ نے اپنے نبی سے فرمایا:

خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ○ (سورہ قصص، 55)

معافی کی عادت بنالو، بھلائی کا حکم دو، اور جاہلوں سے اعراض کرو۔

امیر المومنین! یہ بھی جاہل ہے، آپ درگزر فرمائیں، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں، جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت سنی تو آگے کچھ نہیں کہا، کیوں آپ کتاب الٰہی پر سختی سے عمل کیا کرتے تھے، اور اللہ ورسول کے فرمان کی پاسداری کیا کرتے تھے۔

ہمیں بھی چاہیے کہ اگر جاہلوں سے سامنا ہوجائے تو صبر وتحمل سے کام لیں، اور ان کی جہالت کا جواب جہالت سے نہ دیں بلکہ سلام کر کے الگ ہوجائیں، یہی حکم خداوندی ہے، یہی سنت نبوی ہے، یہی صحابہ اور صالحین کا معمول ہے، اور اسی میں دونوں فریق کے لیے بھلائی ہے۔

امجد حیدر آبادی نے کہا۔

تعلیم سے جاہل کی جہالت نہیں جاتی
نادان کو الٹا بھی تو نادان رہا

ہماری پوری گفتگو کا خلاصہ بس اتنا ہی ہے کہ جہالت وناخواندگی کے باعث عقائد واعمال برباد ہوجاتے ہیں، اور اخلاق وکردار بگڑ جاتے ہیں، اور جہالت ونادانی میں لیے گئے فیصلے وبال جان بن جاتے ہیں، اسی لیے اپنے معاشرے سے جہالت کا خاتمہ کیا جائے، اور اس کے لیے اللہ ورسول کی طرف رجوع کیا جائے اور کتاب وسنت پر سختی سے عمل کیا جائے۔

☆☆☆

علمی تحقیق

حاشیہ نگاری سے کہتے ہیں؟

محمد گل فراز مدنی

لغت میں حاشیہ سے مراد وہ شرح یا یادداشت ہے جو کسی کتاب کے متن سے باہر لکھی جائے۔ آزاد دائرہ معارف میں ہے: "حاشیہ متن میں موجود کسی لفظ یا الفاظ کے معنٰی، ترجمے، مختصر تشریح اور وضاحت کو کہتے ہیں۔" درحقیقت حاشیہ سے مراد وہ افکار ہیں جنہیں مؤلف، مصنف یا محقق متن سے علیحدہ صفحے کی ایک طرف تحریر کرتا ہے۔ اسے ہامش، تعلیق اور انگریزی میں فٹ نوٹ (Footnote) سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ حاشیہ کا مقصد مشکل اور پیچیدہ امور کی تشریح کرنا، کسی نظریہ، سوچ اور عقیدے کی وضاحت اور اس کی مزید تفصیل بیان کرنا، کسی آیت قرآنی یا حدیث نبوی کی تخریج کرنا، کسی شخصیت، جگہ اور فن کا تعارف کروانا، کسی رائے کی تحقیق یا کسی رائے پر تبصرہ کرنا وغیرہ ہے۔

حاشیہ نگاری کی ابتدا:

علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمۃ حاشیہ نگاری کی ابتدا کے متعلق لکھتے ہیں: تلاش سے پتا چلتا ہے کہ حاشیہ نگاری کا آغاز ساتویں صدی ہجری میں ہوا اور سب سے پہلے محشی یا حاشیہ نگار نجم العلما علی بن محمد بن احمد بن علی ہیں۔ آپ نے ہدایہ کے مشکل مقامات پر فوائد کے نام سے حاشیہ لکھا ہے۔ آپ نے 667ہجری میں وفات پائی۔ اس لئے حاشیہ نگاری کی ابتدا ہم ساتویں صدی ہجری کو قرار دے سکتے ہیں۔

(امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری، جلد دوم، ص27)

حاشیہ نگاری کی اہمیت وضرورت:

محشی اپنے نقطۂ نظر سے جس جملہ، کلمہ یا جس لفظ کی تشریح اور توضیح ضروری خیال کرتا ہے اس کو حاشیہ کے لئے منتخب کرتا ہے۔ کہیں کسی معنٰی کی وضاحت مقصود ہوتی ہے، کہیں توضیح کے بجائے وہ مصنف یا مؤلف سے اختلاف کرتا ہے اور اس اختلاف کو وہ مصنف کے معاصرین، دیگر مصنفین، مصنف کے پیشواؤں کے بیان کے حوالوں سے مستدل کرتا ہے۔ کبھی اختلاف پر دلیل پیش کرتا ہے اور ان تمام چیزوں سے قاری کے ذہن میں بہت سی مفید معلومات آتی ہیں اشکالات اور اعتراضات دفع ہوتے ہیں، مزید شرح اور وضاحت حاصل ہوتی ہے، کتاب کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ کبھی مصنف یا مؤلف کوئی نکتہ بیان کرتا ہے جسے سمجھنا قاری کے لئے مشکل ہوتا ہے محشی اس کی وضاحت کرکے قاری کے لیے آسانی پیدا کرتا ہے۔ کبھی محشی اجمال کی تفصیل اور کسی بات پر تنبیہ کرتا ہے۔ کبھی مصنف کوئی ایک صورت بیان کرتا ہے تو محشی اس کی دیگر صورتیں بیان کرکے قاری کو اس بارے میں مکمل آگاہی دیتا ہے۔ کبھی مصنف کوئی ایسی بات بیان کرتا ہے جس سے عقیدے پر ضرب پڑ رہی ہوتی ہے یا کوئی بدمذہب اسے دلیل بنا سکتا ہے محشی وہاں عقیدہ اہل سنت کی وضاحت کرتا ہے اور ہونے والے اعتراض کو رفع کرتا ہے۔

حاشیہ کے اندراج کے طریقے:

آج کل حواشی کے اندراج کے لئے عام طور پر تین طریقے استعمال کیے جاتے ہیں:

پہلا طریقہ: ہر صفحے کے حواشی اسی صفحے پر نچلے حصے میں درج کیے جاتے ہیں۔ ایک صفحے پر جتنے حواشی ہوتے ہیں ان کے نمبر لگا دیے جاتے ہے مثلاً ایک صفحے پر چھ حواشی ہوں تو ایک سے لے کر چھ تک نمبر لگا دیئے جاتے ہے اور آئندہ صفحے کے حواشی نئے سرے سے شروع ہو کر اسی صفحے پر ختم ہو جاتے ہیں۔

دوسرا طریقہ: ہر کتاب، باب یا فصل کے لیے مسلسل نمبر لگائے جاتے ہیں اور کتاب، باب یا فصل کے اختتام پر تمام حواشی اکھٹے درج کیے جاتے ہیں۔

تیسرا طریقہ: پوری کتاب کے حواشی کے لئے مسلسل نمبر لگائے جاتے ہیں اور کتاب کے آخر میں سارے حواشی اکھٹے کردیئے جاتے ہیں۔

حاشیہ میں درج ہونے والے امور:

محققین اور اہل علم حضرات حاشیہ میں جن امور کا ذکر کرتے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

1۔ قرآنی آیات کے حوالے، شان نزول اور تفسیر بیان کرنا۔

2۔ احادیث، آثار صحابہ، تابعین، تبع تابعین وغیرہ بزرگانِ دین کے اقوال کی تخریج اور ان میں وارد ہونے والے مشکل الفاظ کی وضاحت اور اصول حدیث کی روشنی میں روایت کی فنی حیثیت کو بیان کرنا۔

3۔ شخصیات کا تعارف خواہ معروف ہوں یا غیر معروف۔

4۔ ممالک، شہروں، قصبوں اور مقامات کا تعارف۔

5۔ حادثات، واقعات اور ادوار کو بیان کرنا۔

6۔ اشعار کی وضاحت، شعروں کے اوازن اور بحور کو بیان کرنا، شعرا کے نام اور قصائد کا پس منظر لکھنا۔

7۔ ضرب الامثال اور محاوروں کی وضاحت کرنا۔

8۔ عبارات، اقتباسات، روایات کی تحقیق کرکے اصل مصادر کی جانب راہنمائی کرنا۔

9۔ متن کتاب میں ذکر کردہ مسائل کے دلائل، ان کی وضاحت اور شرح کے لئے مثالیں دینا۔

10۔ مصنف یا مؤلف کی رائے سے اختلاف کرنا اور اس پر دلائل دینا۔

11۔ کسی غلطی کی نشان دہی اور درست بات کو ذکر کرنا۔

12۔ کتاب کے نسخوں میں اختلاف ہو تو اسے بیان کرنا اور درست کی نشان دہی کرنا۔

13۔ مشکل الفاظ کے معانی بیان کرنا۔

14۔ کسی عبارت اور اقتباس کا ترجمہ کرنا۔

15۔ کسی مذہب یا عقیدے کی وضاحت کرنا۔

16۔ متن کی عبارت کے ربط کو بیان کرنا۔

17۔ مصنف یا مؤلف نے جس بات کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی وضاحت وصراحت کرنا۔

18۔ مصنف یا مؤلف نے کسی کتاب کا حوالہ دیا ہے اس کتاب کا تعارف بیان کرنا۔

19۔ کسی کتاب کے مستند یا غیر مستند ہونے کو بیان کرنا۔

20۔ کسی بات کا خلاصہ یا اختصار کرنا۔

حاشیہ، تعلیق اور شرح میں فرق:

شرح میں متن (Text) کے اکثر مقامات کی وضاحت ہوتی ہے۔ حاشیہ میں ان ہی مقامات کو زیر غور لایا جاتا ہے جہاں حواشی کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے ہر لفظ یا مقام کی وضاحت نہیں کی جاتی۔ اسی لیے کہا جاتا ہے: "اَلْحَاشِیَةُ مَاتُوْضِحُ الْمَتَنَ بَعْضَهُ" یعنی حاشیہ اُسے کہتے ہیں جو متن کے بعض حصے کی توضیح کرے۔" حواشی اگر کم ہوں تو اسے تعلیق سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور کبھی حواشی کو بھی تعلیقات کہہ دیتے ہیں۔ علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: کسی کتاب کی شرح وہ کسی متن سے متعلق ہو توضیح و مطالب اور تصریح کے لئے اصل متن سے زیادہ ضخامت اور حجم کی خواہاں ہوتی ہے۔ شرح اور تعلیق کا خاص فرق یہ ہے کہ شرح میں متن کی کسی سطر کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا تمام وکمال متن کی تصریح و توضیح کی جاتی ہے اور تعلیقات میں یہ ضروری نہیں۔ تعلیقات نگار متن کے جس جزو کی چاہتا ہے تعلیقات کے ذریعے وضاحت کرتا ہے اس پر یہ پابندی نہیں کہ شرح کی طرح تمام متن کی وضاحت کرے۔ تعلیقات نگار متن کے جس قدر حصہ پر چاہتا ہے تعلیقات لکھتا ہے۔ حاشیہ اگرچہ شرح کی طرح لازمہ ہر سطر نہیں ہوتا لیکن شرح سے زیادہ دقت نظر کا طالب و خواہاں ہے۔ محشی اپنے نقطہ نظر سے جس جملہ، جس کلمہ یا جس لفظ کو تصریح و توضیح کے لئے ضروری خیال کرتا ہے اس کو حاشیہ کے لئے منتخب کرتا ہے۔

(امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری، ص34 تا39 ملخصًا)

☆☆☆

پرتاپ گڑھ میں ماہنامہ اشرفیہ حاصل کریں
مخدوم ملت لائبریری، سیف آباد، پرتاپ گڑھ
موبائل نمبر:9839112969
کولکاتا میں ماہنامہ اشرفیہ حاصل کریں
جناب حافظ محمد عارف صاحب، مومن پور روڈ
35/h/2 خضر پور، کولکاتا-700023
موبائل نمبر:9804399269

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین/سوال آپ بھی کرسکتے ہیں

آپ کے مسائل

-*-*-*-*-*-*** مفتیِ اشرفیہ **محمد نظام الدین رضوی** کے قلم سے ***-*-*-*-*-*-

علمِ جفر میں اعلیٰ حضرت کے استاذ

کیا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے حضرت نوری میاں صاحب علیہ الرحمہ کو علمِ جفر میں اپنا استاد تسلیم کیا ہے اور اس کا ذکر کیا ہے ؟

الجواب : ہاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے حضرت سیدی شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم جفر میں اپنا استاذ تسلیم کیا ہے۔علم جفر ایک مبسوط علم السر ہے، جو حضرت مولائے کائنات علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اہل بیت کرام میں منتقل ہوتا رہا۔ اس علم کا ایک قاعدہ ”بدوح یلن “ کی تعلیم حضرت نوری میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام موصوف کو دی تھی، باقی اللہ عزوجل کے فضل و عطا سے حاصل ہوا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ”مجتلی العروس و مراد النفوس “میں اس کی صراحت فرمائی ہے، عبارت یہ ہے:

وحاشا لله لا اقول اني من العلماء في شي من الفنون فضلا عن هذا الدرالمكنون وكيف ولم اجد من يعلمنيه، او اذا اغلق امر اشاوره فيه، و انما علمني حضرة المحلي بالكمال المعنوي والصورى شيخي في هذه الفنون السيد الشريف ابوالحسين احمد النورى حفيد حضرة شيخى و سندى و قدوتى و معتمدى وكنزى و ذخرى ليومى و غدى بقية العلماء العاملين نقاوة العرفاء الكاملين سيدنا السيد الشاه آل رسول الاحمدي رضي الله تعالى عنه وعنا به بالرضوان السرمدي القاعدة المتداولة في طلاب الفن الشهيرة بقاعدة بدوح يلن وقد زدت فيها توضيحات و تسهيلات و تنقيحات ثم منحني الله تعالى ببعض كتب هذا العلم الأنور لا سيما تصانيف الشيخ الأكبر امام اهل الكشف والتبيين ذى القدم الراسخ في الثبات والتمكين سيدنا الشيخ محمد محي الدين بواه ربه واياناً به في عليين فاختلست الفرص لقليل مطالعة ومحاولة تلك الصعاب المتمتعة حتي اذنت لي ان ادخل الباب ثم كشفت لى فضلة من الحجاب ثم اقترحت منها عليها واذا انعجم شئي ملت اليها فانا اسألها عنها وهي تجيب وما هو الأمن فضل المجيب الذي اذا سأله عباده فانه قريب، له الحمد ابد او الشكر سرمدا. (مجتلي العروس و مراد النفوس ، ص:4، 5 ، امام احمد رضا اکیڈمی)

اور الملفوظ میں میں علم جفر کے تعلق سے ہے:

”یہ علم تمام علوم سے مشکل تر اور سکھانے والے مفقود اور اکابر مصنفین کو کمال اخفا مقصود، جو علوم ظاہر ہیں اور مصنفین و معلّمین ان کا اعلان چاہتے ہیں ان کی تو یہ حالت ہے کہ کتاب کچھ کہتی ہے، ناظر کچھ سمجھتا ہے، تو اس علم میں ناظر کی غلط فہمی کیا عجب ہے اور وہ بھی مجھ جیسے کے لیے جس نے نہ کسی سے سیکھا، نہ کوئی مشورہ و مذاکرہ کرنے والا ملا، صرف ایک قاعدہ ”بدوح یلن“ کہ مزدوجات سے ہے، والا حضرت عظیم البرکت حضرت سیدنا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قدس سرہ العزیز نے بارہ سو چورانوے (1294ھ) میں تذکرۃً تعلیم فرمایا تھا، اس کے بعد جو کتابیں اس فن کے نام سے مشہور و رائج ہیں ان کی نسبت اسی فن سے سوال کیا اس نے ان پر نہایت تشنیع کی اور کہا کہ یہ سب مہمل اور باطل اور جلانے کے قابل ہیں، صرف دو کتابوں کی مدح کی جو ان سب رائج کتابوں سے جدا ہیں جن میں ایک حضرت شیخ اکبر محی الدین بن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف ہے، وہ دونوں مولا عزوجل نے مجھے بہم کرادیں انھیں مطالعہ کیا، جہاں تک بزور مطالعہ انکشاف ہوا ہوا۔ اور جہاں مطلب حضرات مصنفین نے ذہن میں رکھا تھا اس کی نسبت جتنا قاعدہ معلوم ہولیا تھا اس سے سوال کیے، اس نے مطلب بتایا، ایک قاعدہ اور حل ہوا، اب جو آگے الجھا اس سے پوچھا اس نے بتایا اور حل ہوا، اس طور پر اس فن کی قدرے ابجد معلوم ہوئی، میری کتاب سفر السفر عن الحفر بالجفر انھیں

مباحث میں ہے جس میں ساٹھ سوال جواب ہیں، یعنی جفر سے جفر کو واضح کرنے کی کتاب۔ (الملفوظ، ج:2، ص:33) واللہ تعالیٰ اعلم۔

میت کے دفن کا مسئلہ

مسئلہ یہ ہے کہ ایک خاتون ہیں، شوہر کے انتقال کے بعد وہ اپنے گھر (والدین کے گھر) آگئیں، یہاں پہنچ کر انھیں ایک لڑکا ہوا، خاتون کے بھائیوں نے اس لڑکے کی پرورش کی اور وہ جوان ہوا، آج ممبئی میں اس کا انتقال ہوا تو اب بعض گھر والے اسے اپنے اپنے یہاں قبرستان میں دفن کرنا چاہتے ہیں، خاتون کے گھر والے، والدین، بھائی وغیرہ کا کہنا ہے کہ بچے کی پرورش ہم نے کی ہے اس لیے اس پر حق ہمارا ہے، باپ کے گھر والوں کا کہنا ہے کہ لاش ہم اپنے گھر لائیں گے۔ لاش کس کے حوالے کی جائے، ماں کے حوالے یا باپ کے اہلِ خانہ کے؟

الجواب: حکم شرع یہ ہے کہ جہاں انتقال ہوا وہیں کے قریبی قبرستان میں دفن کریں۔

عالم گیری میں ہے: ”ویستجب في القتيل والميت دفنه في المكان الذى مات في مقابر أولئك القوم وإن نقل قبل الدفن إلى قدر ميل أو ميلين فلا بأس به كذا في الخلاصة، وكذا لو مات في غير بلد يستجب تركه فإن نقل إلى مصر آخر لا بأس به ولا ينبغي اخراج الميت من القبر بعد ما دفن الا إذا كانت الأرض مغضوبة أو أخذت بشفعة كذا في فتاوي قاضي خان“

(عالمگیري، كتاب الصلوٰة / الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس، ج:1 ص:167)

بہارِ شریعت میں اس کی ترجمانی یوں ہے:

”جس شہر یا گاؤں وغیرہ میں انتقال ہوا وہیں کے قبرستان میں دفن کرنا مستحب ہے اگرچہ یہ وہاں رہتا نہ ہو، بلکہ جس گھر میں انتقال ہوا اس گھر والوں کے قبرستان میں دفن کریں اور دو ایک میل باہر لے جانے میں حرج نہیں کہ شہر کے قبرستان اکثر اتنے فاصلے پر ہوتے ہیں اور اگر دوسرے شہر کو اس کی لاش اٹھالے جائیں تو اکثر علما نے منع فرمایا اور یہی صحیح ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ دفن سے پیشتر لے جانا چاہیں اور دفن کے بعد تو مطلقاً نقل کرنا ممنوع ہے، سوا بعض صورتوں کے جو مذکور ہوں گی۔“ (بہارِ شریعت حصہ چہارم، قبر و دفن کا بیان، مسئلہ 26، ص:846، 847، دعوت اسلامی) واللہ تعالیٰ اعلم ☆☆☆

(ص:17 کا بقیہ) ان حقائق کی روشنی میں صاحبانِ عقل و خرد کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ مذکورہ بالا تمام ہی پریشانیاں انسان کی بڑھتی ہوئی خواہشات کی وجہ سے ہیں۔ کہ اس وقت انسان نے ذرائع عیش و آرام کی حصولیابی کو ہی اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہے۔ اور اسی کو لے کر آج وہ اس قدر فکرات، مسائل اور پریشانیوں میں مبتلا ہو چکا ہے۔ کہ کوئی نہ کوئی موذی مرض اسے آپکڑتا ہے۔ اور پیسہ بڑھانے کی ہر وقت کی فکر اسے پیسہ تو کیا بڑھا پائے گی۔ بہت سی بیماریوں کا شکار بنا کر اس کو پیسہ خرچ کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ حالت یہ ہو جاتی ہے کہ عیش و آرام کا دلدادہ اور سکون و راحت کا دیوانہ یہ انسان مختلف قسم کی بیماریوں میں جکڑ کر بہت سی پریشانیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور اس کی وہی زندگی جو عیش و راحت کے پیچھے دیوانہ وار بھاگتی رہی تھی اب خواہشات کی بڑھ جانے کی بنا پر خود اس کے ہی لالے پڑ جاتے ہیں۔

یقیناً یہ اس عہد کا سب سے زیادہ نازک، حساس اور فکر انگیز المیہ ہے کہ ہم نے اپنی خواہشات کو حد سے زیادہ بڑھا کر نہ صرف عیش و آرام کو ہی کھویا بلکہ اپنی زندگی تک کو ہلاکت میں ڈال لیا ہے۔ یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اگر یہی انسان اللہ نے جتنا اسے عطا کر دیا ہے۔ اسی پر قانع رہتا۔ اور خلوص دل سے اسی پر قناعت کرتے ہوئے راضی بہ رضائے حق کا مظاہرہ کرتا اور خلوص دل سے اللہ کا شکر گذار ہوتا۔ تو زندگی بھی چین و سکون سے گزرتی اور ذہنی تناؤ اور قلبی بے اطمینانی کی بنیاد پر ہونے والی بیماریوں سے بھی اسے سابقہ نہ پڑتا۔

راقم الحروف ایک حساس دل کا مالک اور بنی نوع انسانی کا خیر خواہ ہونے کی وجہ سے بندگانِ خدا کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا چاہتا ہے کہ اگر انسان اب بھی اپنی آنکھیں کھول لیتا ہے۔ اور مادی غلبے کی بناء اور راہ حق سے بھٹک جانے کی وجہ سے اپنے کھوئے ہوئے چین و سکون کو دوبارہ سے حاصل کرنے کا خواہش مند ہے تو اسے اپنی سابقہ روحانی قدروں پر واپس آنا پڑے گا۔ اور جتنا اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا کر دیا ہے۔ اسی پر راضی رہ کر خدا کے حضور سجدۂ شکر بجالانے کی زحمت کرتا ہے۔ تو یہ اس کے حق میں تو بہتر ہوگا ہی پوری بنی نوع انسانی کے لئے بھی نعمت عظمیٰ ثابت ہوگا۔ اور آج الجھنوں و پریشانیوں سے دوچار انسانیت پھر چین و سکون کا سانس لے سکے گی۔ ☆☆☆☆

فکر امروز

بنگال میں مسلمانوں کے مسائل

مفتی محمد ساجد علی مصباحی

مسلمان ملک کے ہر صوبے میں طرح طرح مسائل سے دوچار ہیں، کہیں ان کے تحفظ کا مسئلہ ہے، کہیں ان کے معاش اور روزگار کا مسئلہ ہے، کہیں ان کے ساتھ مذہبی تعصب کا مسئلہ ہے، کہیں انھیں اپنی بقا کی جنگ لڑنی پڑ رہی ہے تو کہیں سیاسی وجود کو ثابت کرنے کے لیے جد وجہد کرنی پڑ رہی ہے اور کہیں یہ سارے مسائل ایک ساتھ مسلمانوں کا دائرۂ حیات تنگ کر رہے ہیں۔ بنگال ملک کا ایک اہم صوبہ ہے، جو تہذیب وثقافت، امن وآشتی، اخوت ومحبت، سماجی ومعاشرتی ہم آہنگی اور علم وادب کے حوالے سے جانا جاتا ہے، یہاں کے مسلمان قومی سیاست میں ہمیشہ موضوع بحث رہتے ہیں، مغربی بنگال میں سرکاری اعداد وشمار کے مطابق ۲۷ ؍فیصد اور غیر سرکاری ذرائع کے مطابق ۳۰ ؍فیصد آبادی مسلمانوں کی ہے۔ مالدہ، مرشد آباد اور اتر دیناج پور خاص طور سے مسلم اکثریتی اضلاع شمار ہوتے ہیں۔ بنگال کے مسلمان آزادی کے بعد سے ہی مسائل کے شکار رہے ہیں، ۷۵ ؍سالوں میں کئی سیاسی پارٹیوں نے بنگال پر حکمرانی کی، حکومتیں بدلیں لیکن مسلم مسائل جوں کے توں رہے، ان ۷۵ ؍سالوں میں یہاں کے مسلمان نہ تو تعلیم کے میدان میں خاطر خواہ آگے بڑھ سکے اور نہ ہی معاشی اعتبار سے مستحکم ہو سکے، وہ کل بھی سیاسی پارٹیوں کے لیے ووٹ بینک تھے اور آج بھی ان کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ تقسیم وطن کے بعد سے ہی جان بوجھ کر مرکزی اور ریاستی حکومتوں نے مغربی بنگال کے مسلمانوں کو پس ماندگی اور غربت و جہالت میں چھوڑ دیا ہے، خود مسلمانوں نے بھی ۷۵ ؍سال سے اس افسوس ناک غربت سے نکلنے کے لیے کوئی خاص جد وجہد اور محنت و مشقت نہیں کی ہے۔ البتہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان کوئی ایسا ترقی پسند قائد نہیں ابھرا جو ان کے اندر انقلابی روح پھونک سکے، جتنے بھی سیاسی قائدین ان علاقوں سے منتخب ہو کر اسمبلی اور پارلیمنٹ میں نمائندگی کرتے رہے، انہیں مسلمانوں کی عمومی صورت حال سے کوئی سروکار نہیں رہا اور نہ ہی مسلمانوں کو پسماندگی سے نکالنے کے لئے کوئی ٹھوس اقدامات کیے۔

تعلیم، صحت، ٹرانسپورٹ، معاش، روزگار، ملازمت اور زندگی کے ہر شعبے میں یہاں کے مسلمان پچھڑے ہی رہے، یہ کوئی پانچ دس سال کی غلط پالیسیوں کا نتیجہ نہیں بلکہ ساٹھ ستر سال کی بے توجہی کا شاخسانہ ہے۔ مسلم علاقوں کی بدتر صورت حال کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ ہمارے ضلع اتر دیناج پور میں ۲۰۱۱ء کی مردم شماری کے اعتبار سے 49.92 فیصد مسلم آبادی ہے، حالاں کہ غیر سرکاری اعداد وشمار کے اعتبار سے یہاں تقریباً 60 ؍فیصد مسلم آبادی ہے، اس کثیر مسلم آبادی والے ضلع میں تعلیمی اداروں کی شدید قلت ہے، آج بھی اتر دیناج پور کے کئی بلاک ایسے ہیں جہاں بچوں اور بچیوں کو ہائی اسکول کی تعلیم کے لیے دس سے پندرہ کیلو میٹر کی مسافت روزانہ طے کرنی پڑتی ہے، کئی بار سڑک حادثات بھی رونما ہوتے ہیں اور بچیاں تحفظ کے مسائل کی شکار ہوتی ہیں، ان علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے اعلیٰ تعلیم کا حصول مزید مشکل ہو جاتا ہے، انھیں گریجویشن کے لیے بھی بڑی مشقتوں کا سامنا ہوتا ہے، ہائی اسکول کی تعلیم جیسے تیسے مکمل کرنے کے بعد اکثر بچے کشن گنج بہار کا رُخ کرتے ہیں جہاں ان کے ساتھ کئی طرح کے مسائل پیش آتے ہیں، مائیگریشن کارڈ کے لیے دفاتر کا چکر لگانا پڑتا ہے۔ ابتدائی تعلیم کے لیے جو پرائمری اسکول ہیں ان کا نظام تعلیم اس قدر غیر منظم ہے کہ لوگ اپنے بچوں کو ان اسکولوں میں بھیجنا گوارہ نہیں کرتے، ادھر چند سالوں سے مڈ ڈے میل اور سرکاری وظائف نیز مفت ڈریس کے نام پر کچھ بچے ان اسکولوں میں جانے لگے ہیں لیکن وہ بھی ”کھچڑی خوری“ تک ہی محدود ہے۔ سچر کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں کہا تھا کہ پرائمری اسکولوں میں مسلم بچوں کی شرح ۵۰ ؍فیصد کے قریب ہے جو مڈل اسکول جا کر ۲۶ ؍فیصد ہو جاتا ہے اور ہائی اسکول تک صرف ۱۲ ؍فیصد مسلم بچے ہی پہنچ پاتے ہیں۔ اس رپورٹ کے بعد اقتدار کی کرسی تو بدلی لیکن اس بدتر تعلیمی صورت حال کو سدھارنے کے لیے خاطر خواہ کوشش نہیں ہوئی۔ یہاں

استاذ دار العلوم غریب نواز، داہو گنج، کشی نگر یوپی

کے سیاسی قائدین نے کبھی بھی تعلیم اور تعلیم گاہوں کے مسائل کو ترجیحی طور پر حل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس جُرم میں یہاں کی عوام بھی برابر کی شریک ہے، عوام بھی سیاسی قائدین سے پُرزور انداز میں اعلیٰ تعلیمی اداروں کی مانگ نہیں کرتی، عوام کی اکثریت نفع عاجل پر یقین رکھتی ہے، جو چھوٹی موٹی اسکیموں سے پورا ہوجاتا ہے، نسلوں کی بقا اور مستقبل کی تابناکی ان کے نزدیک معنی نہیں رکھتی، اپنے قیمتی ووٹوں کو دو چار سو میں بیچنے والے ووٹر اپنے سیاسی قائدین سے مضبوط انداز میں کس منھ سے مطالبہ کریں گے۔

2001ء کی مردم شماری کے مطابق مغربی بنگال کے مسلمانوں میں تعلیمی شرح 57.7 فیصد ہے مگر 2011ء کی مردم شماری میں تعلیمی شرح بڑھ کر 68.74 فیصد ہوگئی ہے جب کہ قومی سطح پر مسلمانوں میں تعلیمی شرح 68.53 فیصد ہے۔ مردم شماری کے اعداد و شمار کے مطابق بنگال میں 6.15 کروڑ افراد تعلیم یافتہ ہیں یعنی کل آبادی کا 68.53 فیصد افراد تعلیم یافتہ ہیں، جس میں 4.5 کروڑ ہندو شامل ہیں بقیہ 23.4 فیصد افراد مسلمان ہیں۔ ریاست میں کل 2.9 کروڑ افراد غیر تعلیم یافتہ ہیں جس میں 1.86 کروڑ افراد ہندو ہیں اور 1.2 کروڑ مسلمان ہیں۔ مغربی بنگال میں مسلمانوں کی آبادی 27.01 فیصد ہے یعنی ریاست میں 9.12 کروڑ مسلم آبادی ہے۔ مردم شماری کے اعداد و شمار یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ریاست کے 41.5 فیصد مسلمان پڑھنا لکھنا نہیں جانتے ہیں۔ [یہ اعداد و شمار نیوز18 کی اردو ویب سائٹ – https://urdu.news18.com سے ماخوذ ہیں]

صحت کا شعبہ پورے ملک میں لوٹ کھسوٹ کا شعبہ بن گیا ہے، سرکاری اور غیر سرکاری دونوں طرح کے اسپتالوں میں مریضوں کے ساتھ جو ظلم و زیادتی ہوتی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، بنگال کے مسلم علاقے اور مسلم آبادیاں خاص طور سے ان مظالم کا شکار ہیں، دیہی علاقوں میں ابتدائی علاج کے لیے جو ہیلتھ سینٹر بنائے گئے ہیں وہ محض شوپیس بن کر رہ گئے ہیں، ڈاکٹر اکثر غائب رہتے ہیں، افسران کی لاپروائی سے گورنمنٹ کی جانب فراہم کی جانے والی طبی سہولیات عوام تک نہیں پہنچ پاتیں، بلاک سطح کے اسپتالوں کی صورت حال بھی ناگفتہ بہ ہے، یہاں دلالوں کی بالادستی چلتی ہے، علاج کے نام پر کوئی سہولت دستیاب نہیں ہے، چھوٹے موٹے مریضوں کو بھی ضلع اسپتال ریفر کرنا یہاں کے ملازمین کے روز کا کھیل ہے۔ ہمارے ضلع اتر دیناج پور کے اکثر افراد بہتر علاج کے لیے کشن گنج اور پورنیہ کے پرائیوٹ کلینک جانے پر مجبور ہیں، جب کہ یہاں کے ڈاکٹر "معالج" کم "قصائی" زیادہ ہیں، معمولی سردی کھانسی کے مریض کو دن بھر لائن میں بٹھا کر تین ہزار سے کم میں واپس نہیں آنے دیتے، روز تین سے چار سو کمانے میں والا مزدور دس بارہ دن کی کمائی ایک ہی دن میں ان ظالم ڈاکٹروں کی جھولی میں ڈال آتا ہے، ایسے میں ان مسلمانوں کے یہاں معاشی خوش حالی کیسے آئے گی؟۔ حکومت کی ذمے داری ہے کہ سرکاری اسپتالوں کو فعال بنائے، قابل ڈاکٹروں کو تعینات کرے، اور غفلت برتنے والے ڈاکٹروں کو کڑی سے کڑی سزا دے۔ حکومت نے صحت کے شعبے کو مستحکم بنانے اور مریضوں کو مفت علاج فراہم کرنے کے لیے حال ہی میں کئی اسکیمیں لانچ کی ہیں، ان اسکیموں سے یہ شعبہ کس قدر مستحکم ہوگا یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔

بنگال میں سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی حصے داری کا مسئلہ بہت پرانا ہے، کمیونسٹ حکومت نے اپنے طویل دورِ اقتدار میں بنگال میں امن و امان قائم رکھنے میں تو کامیابی حاصل کی، لیکن مسلمانوں کو دانستہ یا نادانستہ ہر میدان میں بہت پیچھے کردیا، تین دہائی سے زائد کمیونسٹ پارٹی کی حکومت یہاں رہی، ان تین دہائیوں کے اندر مسلمان نہ تو تعلیم کے میدان میں آگے بڑھ سکے اور نہ سرکاری ملازمتوں میں ان کی حصے داری رہی، یہی وجہ ہے کہ 2006ء میں جب سچر کمیٹی کی رپورٹ آئی تو بنگال میں مسلمانوں کی بدترین صورت حال کا صحیح نقشہ دنیا کے سامنے آیا۔

2006ء میں بایاں محاذ کے دور حکومت میں جسٹس راجندر سچر کمیٹی کی رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ بنگال کی سرکاری ملازمتوں میں [گروپ اے اور بی] میں مسلمانوں کی شرح 4.7 فیصد، گروپ سی اور ڈی میں مسلمانوں کی نمائندگی کی شرح 2 / فیصد یعنی اوسطا سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی شرح نمائندگی 3.4 فیصد ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو گزشتہ ایک دہائی میں مسلمانوں کی سرکاری ملازمت میں دو فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ڈیڑھ دہائی میں نمائندگی کی شرح میں محض 2 / فیصد کا اضافہ ہوا ہے تو پھر آبادی کے لحاظ سے یکساں مواقع ملنے میں تو صدیاں بیت جائیں گی۔

اب ریاست میں گیارہ سالوں سے ترنمول کانگریس کی حکومت ہے، جو نسبتاً فرقہ پرست سیاسی پارٹیوں سے بہتر اور مسلمانوں کے

مفادات کے تئیں قدرے سنجیدہ ہے ، ان گیارہ سالوں میں بنگال حکومت کی جانب سے کئی قابل تعریف کام بھی ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے یہاں کے مسلمانوں نے تیسری بار ترنمول کانگریس کی حکومت بنانے میں اہم رول ادا کیا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے بنیادی مسائل آج بھی اسی حال پر ہیں جوں بایاں محاذ کے دورِ حکومت میں تھے، تعلیم اور روزگار کے مسائل سب سے بنیادی حیثیت کے حامل ہیں، واضح اکثریت کے ساتھ بنگال کی اقتدار کی کرسی پر تیسری بار براجمان ہونے کے بعد بھی اگر ترنمول کانگریس مسلمانوں کے ان مسائل کی طرف خصوصی توجہ نہیں دیتی ہے تو یہاں کے مسلمانوں کو راشٹریہ سہارا اپورٹل میں شائع فاروق اعظمی صاحب کے اس تجزیے پر یقین ہونے لگے گا کہ:

"کہ ترنمول کانگریس نے اپنی 10 برسوں کی حکومت میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور انہیں مین اسٹریم میں لانے کی کوئی کوشش ہی نہیں کی ہے اور نہ سچر کمیشن کی سفارشات کے مطابق کوئی عملی اقدام کیا ہے۔ مسلمانوں میں تعلیم کی شرح بھی وہی ہے جو آج سے دس سال قبل بایاں محاذ کے زمانے میں تھی۔ نئے اسکول، کالج کھولے جانے کے بجائے درجنوں اسکول بند ہو چکے ہیں۔ خاص کر مسلم اکثریتی اضلاع میں صورت حال انتہائی سنگین ہے۔ روزگار کے معاملے میں بھی مسلمان پوری ریاست کے منظر نامہ سے غائب ہیں۔ اضلاع کی مسلم آبادی کی ماہانہ فی کس آمدنی 2500 سے 3000 ہزار روپے کے درمیان ہے۔ روزگار کے لیے لاکھوں کی تعداد میں مسلم نوجوان دوسری ریاستوں میں ہیں۔"[سیاسی کش مکش میں مبتلا بنگال کے مسلمان۔از: فاروق اعظمی۔

بنگال کے مسلمانوں کا ایک بڑا مسئلہ معاش اور روزگار ہے ، یہاں روزگار کے مواقع فراہم نہ ہونے کی وجہ سے انھیں دوسرے صوبوں کا رخ کرنا پڑتا ہے ، جہاں ان کے ساتھ توہین آمیز رویہ اختیار کیا جاتا ہے، مسلم علاقوں میں فیکٹریاں نہ ہونے کے برابر ہیں، مزدور طبقے کے پاس کھیتی باڑی کے علاوہ کوئی دوسرا کام نھیں ہے ، اچھے خاصے پڑھے لکھے نوجوان بھی ملازمت اور اپنے وطن میں ذریعہ معاش نہ ہونے کے سبب دوسرے صوبوں میں دھکے کھا رہے ہیں۔

سرکاری دفاتر میں مسلمانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ نھیں ہوتا، افسر شاہی بنگال میں بایاں محاذ کے دورِ حکومت میں بھی تھی، آج بھی ہے، افسران جان بوجھ کر کاموں کو لٹکاتے ہیں، ٹال مٹول ان کی روش بن چکی ہے، گاؤں دیہات کے سیدھے سادے افراد چھوٹے موٹے کاموں کے لیے کئی کئی دنوں تک آفس کا چکر لگاتے ہیں، پنچایت آفس تک کے تیسرے درجے کے ملازم بھی سیدھے منھ بات کرنے کے لیے تیار نھیں ہوتے، اعلیٰ افسران کی تو بات ہی الگ ہے، پولیس کا محکمہ رشوت خوری اور دلالی میں سارے محکموں کو پیچھے چھوڑ چکی ہے ، الیکشن سے قبل ترنمول کانگریس نے اس سلسلے میں ایک اچھی پہل "دوارے سرکار" کے نام سے کی تھی، اس مثبت پیش رفت کو ہمیشہ باقی رکھنا چاہیے اور ہفتے میں ایک دن ہر پنچایت کے تحت کیمپ لگا کر مسائل کا تصفیہ کرنا چاہیے، مسلم علاقوں میں بینکوں کی بھی شدید قلت ہے، آج ہر فرد کا بینک اکاؤنٹ لازمی ہو گیا ہے، ایسے میں انھیں کئی کئی کیلو میٹر کا سفر کرکے بینکوں کی لمبی قطاروں میں گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا ہے ، اس مسئلے کا حل حکومت کو ترجیحی بنیادوں پر نکالنے کی ضرورت ہے۔

چند سال قبل سے ممتا حکومت ائمۂ مساجد اور موذنین کو مشاہرے دے رہی ہے، یہ ایک اچھی پیش رفت ہے، لیکن اسے وقف بورڈ کی عارضی اسکیم کے تحت نہ رکھ کر اس سلسلے میں باضابطہ بل پاس کر کے ان ائمہ کی ملازمت کو مستقل کر دینی چاہیے، اگر ایسا نہیں ہوا تو مستقبل میں کوئی دوسری حکومت آنے پر اس اسکیم کو ختم کرنے میں ذرا بھی وقت نھیں لگے گا۔ اس اسکیم میں کئی طرح کے اصلاحات کی ضرورت ہے، اکثر مساجد میں ائمہ کرام اپنے فرائض انجام نہیں دے رہے ہیں، اس سلسلے میں حکومتی سطح پر نگرانی اور جانچ پڑتال کا بھی کوئی نظم نھیں ہے، جس کی وجہ سے آئے دن تنازعات پیدا ہو رہے ہیں، اکثر مساجد میں اسی وجہ سے اختلاف و انتشار کی صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔

بنگال کے مسلمانوں کا ایک اہم مسئلہ ان کی شناخت اور ان کی شہریت کا ہے، بنگلہ دیشی دراندازوں کے بہانے صدیوں سے یہاں آباد مسلمانوں کو بھی بنگلہ دیشی ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے، بلکہ ڈرایا اور دھمکایا جاتا ہے۔ ۲۰۱۹ء میں جب این آر سی کا اعلان ہوا تو سب سے زیادہ خوف وہراس بنگالی مسلمانوں ہی کے تعلق سے پھیلایا گیا، سارے ثبوت اور دستاویزات کو پس پشت ڈال کر انھیں بنگلہ دیشی قرار دینے کی سازش انتہائی تکلیف دہ ہے، یہاں کے مسلمان اس سلسلے میں بہت ہی اضطراب کے شکار ہیں، اور جوں جوں این آر سی کی سرگرمیاں تیز ہوتی ہیں، مسلم سماج کی بے چینی بھی بڑھ جاتی ہے، ان کے درمیان عدم تحفظ کا احساس بڑھنے لگتا ہے، یقینا بنگال کے مسلمانوں کو اس اضطرابی کیفیت سے نکالنے کے لیے ریاستی و مرکزی حکومت کو خاطر خواہ اقدام کرنا چاہیے۔☆☆

شعاعیں

دل کی بے چینی کا سبب ہے خواہشوں کا حد سے بڑھ جانا

ڈاکٹر رضاء الرحمٰن عاکف سنبھلی

آج کی دنیا اپنی تمام آسائشوں اور آرائشوں کی وجہ سے الف لیلہ اور افسانوی دنیا کی تمام نیرنگیوں سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ اس وقت رؤسائے شہر تو کیا ایک عام آدمی کے گھر میں بھی عیش و آرام کے وہ سامان و ذرائع میسر ہیں جو کبھی شاہان وقت کے یہاں بھی نہیں ہوا کرتے تھے۔ یعنی آج کی دنیا کا عام آدمی بھی زمانہ گذشتہ کے حکمراں و بادشاہوں سے بھی کہیں زیادہ سامان تعیش سے مالا مال ہے۔ وہ زمانے ختم ہوئے جب انسان آرام کو ترستا تھا۔ آج تو انسان کے لئے ذرائع آسائش اور سامان راحت کی اس قدر بہتات ہے کہ وہ سوچتا ہے کہ ان سے لطف اندوز ہونے اور حصول فیض کے لئے وقت کہاں سے لائے۔ اس وقت سائنس و تکنالوجی نے اس قدر ترقی کر لی ہے کہ قدم قدم پر انسان کو مشینی خدام فراہم ہیں۔ جن سے اکتساب فیض سے وہ تھک جاتا ہے مگر یہ مشینیں کبھی نہیں رکتیں اور بنا تھکے، رکے اس کی خدمات انجام دیتی ہیں مختصر یہ کہ عصر حاضر میں انسان کو مادی اعتبار سے بہت ہی راحت و سکون اور عیش و آرام حاصل ہے۔ اور اس کے لیے وہ رب کریم کا جتنا بھی شکر ادا کرے کم ہی کم ہے۔

قارئین کرام! یہ تمام حقائق اپنی جگہ مگر ہمیں یہاں پر غور اس بات پر بھی کرنا ہے کہ یہ عیش و آرام اور یہ سامان تعیش جہاں انسان کے لیے آرام و راحت کا باعث ہیں وہیں یہ اسباب اس کے لئے پریشانیوں کا سبب بھی بنے ہوئے ہیں۔ آئیے۔ دیکھیں کہ ان چیزوں نے کس طرح انسان کے لیے تباہی و بربادی کے اسباب اکٹھا کر دئے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی پریشانی تو یہ ہوئی ہے کہ آج کا انسان خدا کا ناشکرا اور اس کی عطاء و تحسین کا منکر ہو گیا ہے۔ اس عہد کا انسان ہمیشہ ہی دوسروں پر نظر رکھتا ہے۔ بالخصوص ان لوگوں کے عیش و آرام کو دیکھتا ہے جو مال و زر میں اس سے بہت زیادہ ہیں یعنی ہر شخص اپنے سے زیادہ مالدار کو دیکھتا ہے۔ بطور مثال پیدل والا، سائیکل والے کو۔ سائیکل والا، بائک والے کو۔ بائک والا، کار والے کو دیکھ رہا ہے۔ اور دوسرے کی مالی حالت اور خدا کے ذریعے عطا کئے ہوئے اس کے ساز و سامان کو دیکھتا ہے۔ اور پھر اپنی حالت اس سے کمتر پا کر خدا کے حضور ناشکری کا گناہ کر بیٹھتا ہے۔ سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ اگر یہی انسان اپنے سے کمتر کو دیکھتا۔ یعنی کار والا بائک والے کو۔ بائک والا سائیکل والے کو۔ اور سائیکل والا پیدل والے کو دیکھتا تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا اور زبان حال سے کہتا نظر آتا۔ اے خدا! تو نے مجھے دوسرے سے بہتر عطا کیا ہے۔ وہ خدا کا ممنون بھی ہوتا اور خود بھی چین و سکون کی سانس لیتا۔ اس طرح اس کی دنیا بھی سنورتی اور آخرت میں بھی اللہ کی رضا حاصل ہوتی۔ آج کی اسی مادی ہوس اور حصول زر کی حرص نے ہی تو انسان کو مختلف قسم کی فکرات میں مبتلا کر دیا ہے۔ اور مسائل و پریشانیوں نے اسے گھیر لیا ہے۔ نتیجتاً اس نے اپنے دل میں خواہشات کی زیادتی کو جگہ دے کر چین و سکون تو کھویا ہی مختلف قسم کی بیماریوں کو بھی اپنی زندگی کا حصہ بنا لیا ہے۔

آج کے انسان کے لئے اصل غور کرنے کی بات تو یہی ہے کہ سائنس و تکنالوجی کے بے پناہ ترقی کر لینے، مشینوں کی بہتات اور دیگر طرح کے ہزار ہا وسائل و ذرائع کے باجود اس دور کا انسان بہت سی بیماریوں میں گھرا ہوا ہے۔ اور سکون و راحت کو ترس رہا ہے۔ آج میڈیکل سائنس نے بے پناہ ترقی کر لی ہے اور بیماریوں سے چھٹکارا دلانے کے لیے بہتر سے بہتر دوائیاں اور مشینیں عالم وجود میں آچکی ہیں۔ مگر افسوس اس ترقی یافتہ دور کا انسان اب بھی بہت سی بیماریوں میں گھرا ہوا ہے۔ اور ان میں کچھ بیماریاں تو اس کی زندگی کا لازمی حصہ بن گئی ہیں۔ ان میں ڈائی بٹیز، تھائیرائڈ، بلڈ پریشر، ہارٹ پرابلم اور برین ہمریج جیسی موذی و خطرناک بیماریاں ہیں۔ جن کے ہونے سے بیمار تو پریشان ہوتا ہی ہے۔ اس کے متعلقین کا چین و سکون بھی غارت ہو جاتا ہے۔ یہاں پر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ آج کونسا گھر ایسا ہے۔ جہاں اس طرح کی بیماریوں سے نبرد آزمائی نہ ہو۔ (باقی، ص: 13 پر)

akif.sambhali@gmail.com

حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی کی
چند تصانیف و ملفوظات

مبارک حسین مصباحی

مکتوبات اشرفی:

غوث العالم مخدوم سید اشرف سمنانی قدس سرہ العزیز اپنے عہد میں سب سے عظیم روحانی منصب پر فائز تھے، علمی اور تحقیقی میدان میں بھی بڑی اہمیت کے حامل تھے، قرآن وحدیث اور فقہ وکلام پر بھی وسیع نگاہ رکھتے تھے، کشف وکرامت پر بھی دستگاہ رکھتے تھے، شاہانہ سطوت بھی تھی اور فقیرانہ عجز وانکساری بھی، آپ کے عہد حیات میں علما، مشائخ، سلاطین زمانہ اور صوفیاے کرام اپنے معاملات و مسائل میں آپ کی طرف رجوع فرماتے تھے، اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جو مسائل مشکل ہوتے اور جن کا حل کرنا آسان نہیں ہوتا، آپ کی جانب رجوع فرماتے، آپ اپنی روحانی عظمت اور علم وتحقیق کے فیضان اور قرآن و حدیث کے دلائل اور اس کے تقاضوں کے پیش نظر حل فرمادیتے تھے۔ ان "مکتوبات مخدوم اشرف" کو پہلے ابو الفضائل حضرت شیخ نظام الدین یمنی قدس سرہ نے "مرقومات اشرفی" کے نام سے مرتب فرمایا۔ یہ مکتوبات مکمل نہیں تھے، جس کا اظہار دیگر بزرگوں نے بھی فرمایا ہے۔ ان کے بعد حضرت مخدوم سید اشرف سمنانی کے جانشین حضرت سید عبد الرزاق نور العین قدس سرہ نے مرتب فرمائے، اس مجموعے کا نام انھوں نے "مکتوبات اشرفی" تجویز فرمایا۔ آپ کے مکتوبات فارسی زبان میں ہیں۔ ان مکتوبات کو حضرت مخدوم سید اشرف سمنانی نے اپنے عہد کے علما، مشائخ، بادشاہانِ وقت اور مراسلت رکھنے والی اہم شخصیات کے نام تحریر فرمائے ہیں۔

مکتوبات اشرفی کے حوالے سے حضرت سید محمد اشرف جیلانی تحریر فرماتے ہیں:

> "مکتوبات اشرفی سید اشرف جہانگیر سمنانی کے ان مکتوبات کا مجموعہ ہے جو آپ نے مختلف اوقات میں مریدین ومعتقدین اور بادشاہان وقت کو تحریر فرمائے ان مکتوبات میں آپ نے اللہ کی وحدانیت، الوہیت، رسالت، وحدت الوجود، عقائد صوفیا، صوفیا کے مراتب، خلفاے راشدین کے مناقب سے حسن عقیدت، مراتب توحید، صوفیا کی صحبت کے اثرات، خواب کی حقیقت، ارادت پیر کی شرائط، نماز تہجد، شب بیداری کی فضیلت، قبور اکابرین کی زیارت کے فوائد، ذکر نفی واثبات، ذکر میں استغراق کی کیفیت، راہ سلوک کی مشکلات، اصطلاحات صوفیا، فرعون کی موت اور اس کا ایمان، منصب قضا اور اس کے آداب، سلوک کی ترغیب و تحریص، سادات ہندوستان کے نسب، اطوار ثلاثۂ حدیث، ندّسی کا ترجمہ وتشریح، رجال الغیب، حضرت خضر علیہ السلام کے احوال، راہ سلوک میں صبر، دلائل عشق و مراتب مع چند نکات، توحید و معرفت کے مراتب، سلاسل اربعہ، فقر وغنا، حضرت علی اور اہل بیت، عشرہ مبشرہ، مشائخ معمریہ کے تبرکات، ارباب تصوف کے لطائف، بزرگان دین کے حالات و واقعات بیان فرمائے ہیں ۔ بادشاہان وقت کو جو خطوط لکھے ان میں انہیں عدل وانصاف سے حکومت کرنے اور شریعت و سنت کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے۔ سلاطین کو نصیحتیں کیں اور انھیں استحکامِ سلطنت کے طریقے بتائے۔"

یہ مکتوبات آپ کے فرزند معنوی، خلیفہ برحق اور جانشین حضرت سیدنا عبد الرزاق نور العین نے جمع فرمائے، باقاعدہ کاتب سے لکھوایا، اس طرح یہ مکتوبات کتابی شکل میں آگئے، یعنی قلمی نسخہ تیار ہو گیا۔ سید عبد الرزاق

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

نور العین دیباچۂ مکتوبات اشرفی میں، تحریر فرماتے ہیں:

"خوشہ چین خرمن اخلاق صوفیا، ریز گزین انجمن فرقہ علیہ خادم سید عبد الرزاق حسینی اشرفی جیلانی ثبتہ اللہ علی منہج الصدق والسداد عرض پرداز ہے کہ بعض مکتوبات جس کو حضرت غوث العالم مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی متع اللہ المسلمین وشرف المومنین بشریف بقائہ ومعز لحیاتہ خاص احباب کو ارقام فرمایا تھا اور اس زمانے کے اکابر علما و صوفیا نے ان کو معرفت وہدایت کلاہ افتخار میں آویزاں کیا تھا اور سبب حصول مراتب دارین تصور کیا تھا، ابتدائی درمیانی مکاتب کو عدۃ الخلفا حضرت نظام الدین یمنی نے جمع کیا، مگر وہ مکتوبات گرامی جس کا صدور آپ سے اواخر حال میں ہو کسی نے اس کو جمع نہیں کیا، جس وقت مجھے جمع کرنے کا اتفاق ہوا اور حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمۃ کی طرف سے اشارہ ہوا کہ جو مکتوبات جمع نہیں کیے گئے ہیں ان کو جمع کرو تو میں نے تعمیل ارشاد کے لیے مکتوبات اشرفی کو ایک ترتیب کے ساتھ جمع کرنا شروع کیا، امید ہے کہ طالبان راہ حق کے لیے یہ مکاتیب ایک بہترین زادراہ و در گاہ نامتناہی تک پہنچنے کے لیے ایک زبردست سرمایہ ہوں۔" (سید عبد الرزاق نور العین، دیباچہ مکتوبات اشرفی حصہ اول، مترجم، مولانا حکیم سید عبد الحئی اشرفی کچھوچھوی، ناشر: قومی پریس کانپور، ص:11)

سید عبد الرزاق نور العین کی تحریر سے پتہ چلا کہ مکتوبات کو پہلے حضرت نظام الدین یمنی نے جمع کیا اور دوسری مرتبہ سید اشرف جہانگیر سمنانی کے حکم سے حضرت نور العین نے باقاعدہ ترتیب کے ساتھ جمع کیا اور کاتب سے لکھوا کر قلمی نسخہ تیار کروایا لیکن طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی زیور طباعت سے آراستہ نہ ہو سکا، دنیا کی مشہور لائبریریوں میں مکتوبات اشرفی کے جو نسخے موجود ہیں وہ اسی قلمی نسخے کی کاپیاں ہیں، یعنی فوٹو اسٹیٹ یا مائکرو کاپیاں ہیں۔ یہ مکتوبات کس سن میں تحریر کیے گئے ان کے متعلق تو کچھ نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ کسی مکتوب پر تاریخ درج نہیں ہے۔

حضرت سید محمد اشرف جیلانی تحریر فرماتے ہیں:

"جب ہم نے اس سلسلے میں تحقیق کی تو مکتوبات اشرفی کے مترجم رفیق محترم مولانا ممتاز اشرفی زید مجدہ کی تحریر نظر سے گزری، وہ مکتوبات اشرفی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: "کچھ مکتوبات کو اولاد حضرت نظام یمنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے (جو سن 750ھ میں حضرت کی بیعت و ارادت میں داخل ہوئے) نے جمع فرمایا لیکن کتاب کی شکل میں نہیں تھے۔ ان مکتوبات کی جمع کی تاریخ لفظ مرقومات سے (869) حاصل ہوئی۔ اس اعتبار سے بعض مکتوبات کے مرتب اول شیخ نظام الدین یمنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں اور مرتب ثانی حضرت سید عبدالرزاق نور العین علیہ الرحمۃ ہیں۔"

(مولانا ممتاز اشرفی، مکتوبات اشرفی، جلد اول، ناشر: دار العلوم اشرفیہ رضویہ گلشن بہار سیکٹر:16 اور نگی ٹاؤن، کراچی، ص:44)

چنانچہ سلسلہ اشرفیہ کی ایک روحانی شخصیت محترم جناب مولانا حکیم سید عبد الحئی اشرف ہوش کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو مکتوبات اشرفی کے مترجم اول ہیں اس کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"مکتوبات اشرفی جو حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ کے خطوط کا ایک نایاب مجموعہ ہے جس کے جامع حضرت سید عبد الرزاق نور العین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ ہر مکتوب میں شریعت و طریقت کے مشکل و پیچیدہ مسائل ہیں جس کا استفسار اس زمانے کے علما و صوفیا نے کیا تھا اور حضرت مخدوم صاحب نے اس کا نہایت مدلل جواب دیا تھا۔ علاوہ ازیں ملک العلما قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے ایمان فرعون کے متعلق آپ سے دریافت کیا، آپ نے تسلی بخش جواب دیا، اس مکتوب کو حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب اخبار الاخیار میں نقل کیا ہے۔"

(مولانا حکیم سید عبد الحئی اشرف کچھوچھوی، مقدمہ مکتوبات اشرفی حصہ اول، ناشر: قومی پریس، کانپور، انڈیا، ص:۴)

مکتوبات اشرفی کے تراجم:

لطائف اشرفی کی طرح مکتوبات اشرفی بھی فارسی میں تھے اس لیے ضرورت تھی کہ ان کا اردو میں ترجمہ کیا جائے، لیکن کسی نے ان کے ترجمے کی طرف توجہ نہیں دی، اکثر اہل علم واہلِ سلسلہ کی توجہ لطائف اشرفی کی طرف رہی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لطائف اشرفی کے تو متعدّد ترجمے ہوئے جب کہ مکتوبات کا کوئی ترجمہ نہ ہوسکا۔ ہمارے خیال میں اس کی سب سے بڑی وجہ اہل علم واہل سلسلہ کے پاس مکتوبات کی عدم موجودگی تھی، کیوں کہ مکتوبات کا قلمی نسخہ تھا، وہ بھی ہر جگہ دستیاب نہیں تھا، اسی لیے کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی اور عرصۂ دراز تک وہی قلمی نسخہ لائبریریوں کی زینت بنا رہا۔ حضرت سید محمد اشرف جیلانی پاکستانی دام ظلہ العالی لکھتے ہیں:

> ”حضرت مولانا حکیم سید عبدالحئی اشرف کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس طرف توجہ دی اور مکتوبات اشرفی کے ترجمے کا آغاز کیا، انھوں نے پانچ مکتوبات کا ترجمہ کرکے شائع کیا، یہ نسخہ راقم کو میرے نہایت کرم فرما جناب سید محمود الحسن اشرفی گورکھ پوری (مرحوم) نے اپنے ذاتی کتب خانے سے دیا، یہ ترجمہ مکمل نہیں ہے اس میں مقدمہ، جامع مکتوبات حضرت سید عبدالرزاق نور العین کے حالات اور اس کے بعد پانچ مکاتب کا ترجمہ ہے، اس کے ٹائٹل پر مکتوبات اشرفی حصہ اول سن 1350ھ درج ہے۔ یہ ترجمہ قومی پریس کانپور سے شائع ہوا اور ہمارے خیال میں مکتوبات اشرفی کا یہ پہلا ترجمہ ہے، کیوں کہ اس سے قبل کسی ترجمے کا راقم کو علم نہیں۔ یہ ترجمہ 1350ھ میں شائع ہوا جیسا کہ اس کے ٹائٹل سے ظاہر ہے لیکن یہ معلوم نہ ہوسکا کہ اس کے بقیہ حصے شائع ہوئے یا نہیں۔ یہ ترجمہ نہایت آسان اور عام فہم ہے، ہر شخص اس سے استفادہ کر سکتا ہے، اکثر مکتوبات میں سے اشعار حذف کر دیے ہیں، ہوسکتا ہے کہ ادق ہونے کی وجہ سے کئے ہوں، بہر حالی مجموعی طور پر یہ بہترین ترجمہ ہے۔

مکتوبات اشرفی کے دوسرے مترجم مولانا ممتاز اشرفی ہیں جنہوں نے مکمل مکتوبات کا ترجمہ کیا، آستانہ عالیہ اشرفیہ حسینیہ سرکار کلاں کے سجادہ نشین حضرت علامہ ابو محمود سید محمد اظہار اشرف اشرفی الجیلانی مد ظلہ العالی 1999ء میں پاکستان تشریف لائے اور اپنے ساتھ مکتوبات اشرفی کا قلمی نسخہ (جو جامع اشرف کچھوچھہ شریف کی لائبریری میں تھا) لائے اور اپنے مرید وخلیفہ مولانا ممتاز اشرفی زید مجدہ کو دیا اور حکم فرمایا کہ اس کا ترجمہ کریں۔ مولانا موصوف نے اپنے پیر و مرشد کے حکم سے بڑی محنت، شوق اور لگن سے مکتوبات کا ترجمہ کیا یہ ترجمہ سن 2002ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آیا، لیکن ہمارے خیال میں یہ ترجمہ بہت ادق ہے، ترجمہ عام فہم ہونا چاہیے تاکہ ہر شخص استفادہ کر سکے۔ فاضل مترجم نے عربی عبارات کا ترجمہ نہیں کیا اور اکثر جگہ فارسی کے الفاظ استعمال کئے ہیں جو عوام کی فہم سے بالا ہیں، لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ مکتوبات کا عام فہم اور سلیس اردو زبان میں ترجمہ کیا جائے۔ یہ مکتوبات دو جلدوں پر مشتمل ہیں، پہلی جلد میں مقدمہ اور 42 مکتوبات ہیں جب کہ دوسری جلد میں 43 تا 74 مکتوبات ہیں، مکتوبات کی کل تعداد 74 ہے۔ اس طرح یہ کل مکتوبات کا مکمل ترجمہ ہے، کتابت وطباعت بہترین ہے اور ٹائٹل بھی خوبصورت ہے جس سے اس میں چار چاند لگ گئے ہیں ہمارے خیال میں یہ پہلا مکمل ترجمہ ہے ورنہ اس سے قبل تمام مکتوبات کا ترجمہ نہیں ہوا اب یہ ہر جگہ دستیاب ہے اہل علم حضرات اس سے بخوبی استفادہ کر سکتے ہیں۔

اس وقت ہمارے پیش نظر ”مکتوبات اشرفی“ ہے اس علمی و تحقیقی کتاب کا ترجمہ ممتاز ملت حضرت علامہ مفتی سید محمد ممتاز اشرفی دامت برکاتہم العالیہ نے فرمایا ہے۔ فارسی مکتوبات کے جامع مخدوم الآفاق حضرت سید شاہ عبد الرزاق نور العین قدس سرہٗ ہیں، قابلِ صد

مبارک باد ہیں شیخ اعظم ابو محمد سید محمد اظہار اشرف اشرفی الجیلانی رحمۃ اللہ علیہ جن کی فرمائش پر یہ ترجمہ منظرِ عام پر آیا، حضرت شیخ اعظم نے مختصر ابتدائیہ سپردِ قلم فرمایا ہے، ہم مزید اختصار کے بعد ذیل میں نقل کرتے ہیں:

”یہ مجموعہ فارسی زبان میں تھا جس سے ہر شخص استفادہ نہیں کر سکتا تھا، بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ فاضلِ گرامی مولانا سید ممتاز احمد صاحب اشرفی سلمہٗ، جنھیں اشرفی خلافت بھی حاصل ہے، اسے اردو زبان میں منتقل کر کے ایک بہت اہم کارنامہ انجام دیا ہے، یقیناً موجودہ دور کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔ اس عظیم کارنامے پر مولانا موصوف تمام اہلِ سنت و جماعت بالخصوص متوسلین سلسلۂ اشرفیہ کی طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں۔ مولانا موصوف ایک باصلاحیت مخلص اور محرک عالم دین ہیں۔

میری دعا ہے کہ مولا تبارک و تعالیٰ بطفیلِ مخدوم سمناں ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کی اس عظیم خدمت کو قبول فرمائے۔

فقط۔ دعاگو

سید محمد اظہار اشرف اشرفی الجیلانی

سجادہ نشیں سرکارِ کلاں

1321ھ

دوسری گراں قدر تاثراتی زریں تحریر قائدِ اہلِ سنت مبلغ اسلام حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی [دامت برکاتہم العالیہ] قدس سرہٗ کی ہے، ہم اس کے ذروری اقتباسات ذیل میں پیش کرتے ہیں:

”ہند و پاک کے مقتدر علمائے کرام سلسلۂ اشرفیہ کے وہ تاب ناک موتی ہیں، جن سے سلسلہ اشرفیہ کے انوار اطرافِ عالم کو منور کر رہے ہیں اور یہ آفتابِ اشرفیہ مخدوم حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فیضان ہے جو عظیم افراد کی صورت میں امت مسلمہ کو ملا اور اسی فیض مخدوم پاک سمنانی علیہ الرحمۃ کی ایک کرن ”مکتوبات اشرفی“ ہے جو سلسلۂ تصوف کی عظیم کتاب کی صورت میں امت مسلمہ کو ملی۔

چوں کہ اصل کتاب فارسی زبان میں تھی جس سے ہر ایک استفادہ نہیں کر سکتا تھا۔ بایں سبب سجادہ نشیں سرکارِ کلاں شیخ الملت حضرت علامہ سید محمد اظہار اشرف اشرفی مدظلہ العالی کے ارشاد پر آپ کے خلفا میں سے خلیفۂ مجاز فاضلِ نوجوان حافظ قاری مولانا سید شاہ محمد ممتاز اشرفی مہتمم دار العلوم اشرفیہ رضویہ سلمۂ اللہ تعالیٰ نے اس کا اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ نیز جابجا حواشی رقم کر کے برائے فہم آسانی مہیا کی ہے۔ پس اب مکتوبات اشرفی اہلِ علم اور اہلِ ذوق ہی کے لیے نہیں بلکہ عامۃ المسلمین کے لیے بھی مفید و نافع ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو مخدوم پاک شاہِ سمنان قدس سرہٗ کے فیوض و برکات نصیب فرمائے اور فاضلِ مترجم کو دین و دنیا میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

اب ہم ذیل میں دو مکتوبات کی تلخیص پیش کرتے ہیں:

تیسرا مکتوب: اللہ نور السموٰت الخ کی بہترین تفسیر، تفسیر صوفیانہ۔

برادر اعز اشرف الاصحاب شیخ عمر درویش اشرف کی جانب سے دعا قبول فرمائیں۔ اے بھائی! طالبِ صادق کے لیے جب تک اس راہ میں سختی نہ ہو، راہ نہیں کھلتی اور سالکِ واثق جب تک صداقتِ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ اپنائے اس کے لیے نفع ظاہر نہیں ہوتا۔ قطعہ

تا نباشد صلابتِ عمرے
صدق مثل ابن قحافہ برائے
صدق و اخلاص را بہم آور
کہ نماید ترا وصال خدائے

ترجمہ: جب تک زندگی سختی میں نہ جائے اور قحافہ کی مثل صداقت میں نہ آئے اور تم صدق و اخلاص کو بہم نہ ملاؤ، اس وقت تک تمھیں وصالِ خدا

نہیں ملے گا۔

ہر صبح و شام ذکرِ جلی کے موتی کو اپنے نفس کی سزا کے لیے مارو، جب تم اپنے تمام مخلوق کو فکر کے تارِ عنکبوت (مکڑے کا جالا) پر کروگے اور امید کے درخت کو نما کی پیٹھ پر کھول دو گے۔ تو عدالتِ قلبِ صنوبری تم پر مکشوف ہوگی اور انوار محمدی جو کہ خار اطوار میں پوشیدہ ہیں تم پر معروف ہوں گے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. أیْ ھَادِیُ أَھْلِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ. ترجمہ: جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے (قرآن مجید میں) فرمایا ہے کہ: اللہ زمین و آسمان کا نور ہے۔ یعنی زمین و آسمان کا ہادی ہے۔ نور ہادی کے معنی میں ہے۔

عربی عبارت حذف کر کے اس کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے:

اس کے نور کی مثال: نورہٖ میں ضمیر مہتدی کی طرف راجع ہے اور وہ مؤمن ہے جسے اللہ کی ہدایت حاصل ہے، کنایہ کو مکنی کی طرف پھیرنا بھی جائز ہے۔ کیوں کہ اول کلام میں نام ظاہر نہیں کیا گیا ہے۔ جب سیاق اس پر دلالت کرے۔ جیسے اِنَّآ اَنْزَلْنَاہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ کے فرمان میں، ظھرھا ظھر الارض کے معنی میں ہے، حالاں کہ اس سے پہلے ارض کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اور اسی طرح: مَا تَرَکَ علی ظھرھا من دابۃ کے فرمان میں۔ ظھرھا ظہر الأرض کے معنی میں ہے۔ حالاں کہ اس سے پہلے ارض کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اسی طرح اس جگہ ضمیر کو ہم مہتدی کی طرف پھیریں گے۔ پس کنایہ اللہ عزوجل کی طرف لوٹے گا۔ یعنی مثل اس نور خدا کی جو راہ کو روشن کردے۔ وھذا الإضافة مدح وتخصيص إلا أن الإقرار و التصديق فعل العبد. ترجمہ: اور یہ اضافت مدح و تخصیص ہے مگر یہ کہ اقرار اور تصدیق بندے کا فعل ہے۔

"کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ"

"اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ" فی الآیة تقديم و تاخير أی کمصباح فی زجاجة فی مشکاة. ترجمہ: جیسے طاق اس میں ایک چراغ (اور) چراغ فانوس میں۔ اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے، یعنی جیسے ایک چراغ فانوس میں (اور) فانوس طاق میں۔ یعنی مومن کے اس نور کی مثال جس سے وہ روشناس ہوتا ہے جیسے قندیل میں ایک روشن چراغ ہے اور قندیل طاق میں اور یہ مثل ہے۔ اور مثل کے لیے ممثل چاہیے۔ پس مصباح کا ممثل معرفتِ مولا ہے۔ زجاجہ کا ممثل مومن کا دل ہے اور مشکاۃ کا ممثل مومن کا جسم ہے، یعنی جس طرح یہ مشکاۃ بے قندیل اور بے چراغ تاریک ہوتی ہے، اسی طرح جسم بغیر دل کے بے خطاب ہوتا ہے۔ جس طرح چراغ آبگینہ میں معمولی تیل سے روشن ہو جاتا ہے اسی طرح جسم تھوڑے دل سے روشن اور اہلِ خطاب ہو جاتا ہے، کیوں کہ جسم بغیر دل کے مخاطب نہیں ہے۔

"اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ"

"ترجمہ: وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے موتی سا چمکتا۔ یہ آبگینہ کی صفت ہے۔ یعنی اس کی ضیا اور چمک ایسے ہیں جیسے چمکتا ستارہ۔

"یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ"

"ترجمہ: روشن ہوتا ہے برکت والے پیڑ زیتون سے، جب مثل چراغ اور قندیل ہے اور چراغ روشن ہونے کے لیے روغن چاہیے۔ اور وہ درخت زیتون ہے (یعنی جس سے روغن حاصل کیا جا سکتا ہے) وھذا مثل جمیل کما اخذ من ھٰذَا الْمِصْبَاحِ مِنْ شَجَرِ الزَّیْتُوْنَۃِ فَکَذٰلِکَ حَصَّلَ لِھٰذَا الْمُؤْمِنِ ھٰذِہِ الْمَعْرِفَۃُ الَّتِیْ وَصَفْنَا بِسَبَبِ دَعْوَۃِ النَّبِیِّ مُبَارَکٌ وَھُوَ مُحَمَّدٌ عَلَیْہِ السَّلَامِ. ترجمہ: اور یہ عمدہ مثال ہے

جس طرح چراغ میں روغن شجر زیتون سے لیا جاتا ہے، پس اسی طرح مومن کے لیے وہ معرفت حاصل ہے جسے ہم نے بیان کیا، دعوتِ نبی ﷺ کے سبب سے مبارک ہے اور وہ محمد ﷺ ہیں۔ اسی طرح اس چراغ میں روغنِ زیت کے سبب سے روشنی آئی۔

عربی عبارت حذف کر کے صرف ترجمہ نذرِ قارئین ہے:

جو نہ مشرق کا نہ مغرب کا۔ یہ درخت کی صفت ہے۔ یعنی شرق اور غرب میں اس درخت کی طرح جیسے شام اس میں دو قوتیں مجتمع ہیں، پس سورج سے وقت غروب اور وقت طلوع نہیں چھپتی، بلکہ وہ بوقت غروب اور بوقت طلوع سورج کے لیے بازو ہے، پس اس کی آیت اقوی اور اضوء ہے۔ اور یہ (اس کی مثل ہے) جیسے کہا جائے، فلاں شخص نہ مسافر ہے اور نہ مقیم یعنی اس کے لیے دونوں جہتیں حاصل ہیں۔

" یَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ "ترجمہ: قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے، خود کی صفت سے چمکتا ہے۔ یہ مثل ہے۔ اس کا ممثل یہ ہے کہ یہ چراغ روغنِ زیت سے پہلے روشن و تاباں ہے۔ نبی کریم ﷺ وحی سے قبل ہی سے نورِ معرفت سے روشن و تاباں تھے۔ خدا کی عبادت کرنے والے اور خیر و صلاح کے معاملات سے متّصف تھے۔

"نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ" فِی الْاٰیَةِ اِخْتِصَار یعنی اِذَا مَسَّهُ النَّارُ یَصِیْرُ نَوْرًا عَلٰی نُوْرٍ. یعنی اس روغن سے جب چراغ کو بھر دیا تو نورٌ علیٰ نور ہوا۔ یہ مثل ہے۔ اور اس کا ممثل یہ ہے کہ مصطفے علیہ السلام وحی سے قبل ہی رشد و خیر اور صلاح سے بھر پور تھے۔ اور کفر اور گناہِ کبیرہ (اور صغیرہ) سے خالی تھے۔ جیسے وحی کے بعد رہے۔ جب آپ کے پاس وحی آئی تو نور علیٰ نور ہوا۔ کیوں کہ نورِ نبوت اور نورِ معرفت (جو کہ پہلے سے حاصل تھیں) دونوں نے مل کر خیر کو زیادہ کیا۔

"یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ" أَیْ یُکَرِّمُ اللّٰهُ بِنُوْرِهٖ ووحییه من یشاء.

ترجمہ: اللہ اپنے نور سے جسے چاہے ہدایت دیتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی نبوت اور وحی سے جسے چاہے مکرم فرماتا ہے۔

اے بھائی! اللہ تعالیٰ نے اسرار کی مقدار اس آیت میں رکھ دی ہے اور دوسری آیات میں بھی موجود ہے۔ ہر چند کہ اس آیتِ کریمہ میں مشکاۃ مصابیح، زجاجہ، نورِ چراغ اور شجرۂ مبارک (یہ کل پانچ بنتے ہیں) حضرات خمس کی یاد میں سے ہیں، اور مرتبہ پنجم میں کمالِ نورِ ظہور کی یاد دہانی کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں ایک تا پانچ اسرار و رموز جا بجا بیان کیے گئے ہیں۔ یہ نور جو شجرہ مبارکہ سے روشن ہو کر مصباح ہوا، اس کا نام ظہور ہے۔ اس آیت کریمہ سے بہ اعتبار حضرات خمس خلفائے راشدین کا مرتبہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ شجرہ مبارکہ حقیقتِ محمد ﷺ ہیں۔ (باقی بچے چار) مشکاۃ، مصابیح، زجاجہ اور نورِ چراغ۔ یہ آپ ﷺ کے چار یار ہیں جنھوں نے شجرہ مبارکہ سے فیض وصول کیا اور جنھوں نے آپ کے رخسارۂ کمالات اور برقعہ تجلیات سے اپنے آپ کو منور کیا۔

فارسی قطعہ حذف کر کے صرف ترجمہ دیا جا رہا ہے:

(قطعہ) ترجمہ: کیا خوب ہے وہ شمعِ زیتون جس سے مشکاۃ و مصابیح اور شیشۂ چراغ روشن ہوئے، جب ہر طرف چراغ کی روشنی آئی، تو باغ سے درخت مبارک گل افشاں ہوا۔

--------------(جاری)

نقشِ حیات

سیرتِ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی

علامہ سید شاہ تراب الحق قادری

خاندانی حالات: اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت مولانا حافظ شاہ محمد احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کا سلسلہ نسب کچھ اس طرح ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بن مولانا نقی علی خاں بن مولانا رضا علی خاں بن حافظ کاظم علی خاں بن شاہ محمد اعظم خاں بن شاہ محمد سعادت یار خاں بن شاہ محمد سعید اللہ خاں علیہم الرحمۃ آپ کے جد اعلیٰ حضرت شاہ محمد سعید اللہ خاں علیہ الرحمہ قندھار افغانستان کے قبیلہ بڑھیچ کے پٹھان تھے مغلیہ دور حکومت میں لاہور تشریف لائے اور بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے، لاہور کا شیش محل ان کی جاگیر تھا، لاہور سے آپ دہلی تشریف لائے آپ کی بہادری پر آپ کو شجاعت جنگ کا خطاب بھی ملا، ان کے صاحبزادہ حضرت شاہ محمد سعید یار خاں علیہ الرحمۃ کو مغلیہ سلطنت نے ایک جنگی مہم سر کرنے روہیل کھنڈ بھیجا جس میں آپ نے فتح پائی اور پھر یہیں آپ کا وصال ہوا ان کے صاحب زادے حضرت مولانا محمد اعظم خان علیہ الرحمۃ پہلے تو حکومتی عہدہ پر فائز رہے لیکن پھر امور سلطنت سے سبکدوشی حاصل کر کے عبادت و ریاضت میں مشغول رہنے لگے اور آپ نے شہر بریلی کو اپنا مستقل ٹھکانہ بنالیا۔ اس شہر بریلی میں مولانا شاہ محمد تقی علی خاں علیہ الرحمۃ کے یہاں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی ولادت ہوئی اور آج تک آپ کے خاندان کے افراد یہیں آباد ہیں۔

ولادت: اعلیٰ حضرت امام اہل سنّت مولانا حافظ شاہ محمد احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی ولادت ۱۰ شوال المکرم 1272ھ بمطابق 14/ جون 1865ء بروز ہفتہ بوقت ظہر، محلہ جسولی بریلی شریف انڈیا میں ہوئی۔ آپ کا نام محمد رکھا گیا جب کہ آپ کے جد امجد حضرت علامہ رضا علی خان علیہ الرحمۃ نے "احمد رضا" تجویز فرمایا اور تاریخی نام المختار (1272ھ) ہوا، جب کہ خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے، غلامی رسول کے اظہار کے لیے اپنے نام سے پہلے عبد المصطفیٰ کا اضافہ فرمایا اور اپنا سن ولادت اس آیت مبارکہ سے نکالا:

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ

(سورہ مجادلہ، آیت 22، پارہ 28)

"یعنی یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی ہے"۔

خود ہی ارشاد فرماتے ہیں، بحمد اللہ تعالیٰ بچپن سے مجھے نفرت ہے اعداء اللہ سے، اور میرے بچوں کو بھی بفضل اللہ تعالیٰ عداوت اعداء اللہ گھٹی میں پلادی گئی ہے اور بفضلہ تعالیٰ یہ وعدہ بھی پورا ہوا "أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ" بحمد اللہ تعالیٰ اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا لا الہ الا اللہ (جل جلالہ) دوسرے پر لکھا ہوگا محمد رسول اللہ (ﷺ) اور اس پر مستزاد یہ تمنا کہ!

کروں تیرے نام پہ جاں فدا
نہ بس ایک جاں دوجہاں فدا
دوجہاں سے بھی نہیں جی بھرا
کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

اور پھر اپنے اجداد کی فضیلت اور برکات کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں:

"یہ سب برکات ہیں حضرت جد امجد علیہ الرحمۃ کی، قرآن عظیم میں خضر علیہ السلام کے واقعہ میں ہے کہ دو یتیم ایک مکان میں رہتے تھے اس کی دیوار گرنے والی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا، خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو سیدھا کر دیا۔ اس واقعہ کو فرمایا جاتا "وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا" (سورہ کہف آیت 16،82) یعنی ان کا باپ نیک آدمی تھا، اس کی برکت سے یہ رحمت کی گئی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں وہ باپ ان کی چودھویں پشت میں تھا صالح باپ کی یہ برکات ہوتی ہیں تو یہاں تو ابھی تیسری ہی پشت ہے دیکھیے کب تک برکات اس سلسلہ میں ہیں"۔ (الملفوظ حصہ سوم)

تعلیم: اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے ابتدائی تعلیم کچھ حضرت مولانا مرزا غلام قادر بیگ علیہ الرحمۃ سے اور اکثر کتب اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد نقی علی خاں علیہ الرحمۃ سے پڑھیں، نیز چند ایک کتب کا درس حضرت مولانا سید ابوالحسین احمد نوری اور حضرت مولانا عبدالعلی رام پوری علیہ الرحمۃ سے بھی لیا۔

آپ نے اپنے والد ماجد اور اساتذہ سے مندرجہ ذیل اکیس علوم کی تعلیم حاصل کی۔

1-علم قرآن، 2-علم تفسیر، 3-علم حدیث، 4-اصول حدیث، 5-

سابق امیر جماعت اہل سنّت پاکستان کراچی

کتب فقہ حنفی، 6-کتب فقہ شافعی و مالکی و حنبلی، 7-اصولِ فقہ، 8-جدلِ مہذب، 9-علم العقائد والکلام (جو مذاہب باطلہ کی تردید کے لیے ایجاد ہوا)، 10-علم نحو، 11-علم صرف، 12-علم معانی، 13-علم بیان، 14-علم بدیع، 15-علم منطق، 16-علم مناظرہ، 17-علم فلسفہ مدلسہ، 18-ابتدائی علم تکسیر، 19-ابتدائی علم ہیئت، 20-علم حساب تا جمع، تفریق، ضرب، تقسیم، 21-ابتدائی علم ہندسہ۔ (سوانح اعلیٰ حضرت صفحہ 98)

جب کہ مندرجہ ذیل علوم آپ نے بغیر کسی استاد محض اپنی خداداد ذہانت اور صلاحیت سے حاصل کیے:

22-قرأت، 23-تجوید، 24-تصوف، 25-سلوک، 26-علم اخلاق، 27-اسماء الرجال، 28-سیر، 29-تواریخ، 30-لغت، 31-ادب مع جملہ فنون، 32-ارثماطیقی، 33-جبر و مقابلہ، 34-حساب ستینی، 35-لوغارثمات (لوگارثم)، 36-علم التوقیت، 37-مناظرہ، 38-علم الاکر، 39-زیجات، 40-مثلث کُروی، 41-مثلث مسطح، 42-ہیئت جدیدہ (انگریزی فلسفہ)، 43-مربعات، 44-منتہی علم جفر، 45-علم زائرچہ، 46-علمِ فرائض، 47-نظم عربی، 48-نظم فارسی، 49-نظم ہندی، 50-انشاء نثر عربی، 51-انشاء نثر فارسی، 52-انشاء نثر ہندی، 53-خط نسخ، 54-خط نستعلیق، 55-منتہی علم حساب، 56-منتہی علم ہیئت، 57-منتہی علم ہندسہ، 58-منتہی علم تکسیر، 59-علم رسم خط قرآن مجید۔ (سوانح اعلیٰ حضرت صفحہ 99)

مذکورہ بالا 59 علوم و فنون میں سے پچاس فنون پر آپ کی تصانیف موجود ہیں ذہانت کا یہ عالم تھا کہ دورانِ تعلیم صرف آٹھ برس کی عمر میں علم نحو کی کتاب ہدایت النحو کی شرح عربی زبان میں لکھ دی۔ اور محض تیرہ سال دس ماہ اور پانچ دن کی عمر شریف میں مروجہ علوم و فنون کی تکمیل کر کے ۱۴/ شعبان ۱۲۸۶ھ بمطابق ۱۹/ نومبر ۱۸۶۹ء کو سند فراغت حاصل کی، اسی روز مسئلہ رضاعت پر ایک فتویٰ تحریر فرما کر والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا، والد ماجد نے لائق اور ذہین بیٹے کی تحریر اور فتویٰ ملاحظہ فرما کر تحسین فرمائی اور اس دن سے فتویٰ نویسی کی خدمت آپ کے سپرد کر دی۔

دینی علوم کے علاوہ دنیاوی علوم میں بھی آپ کو وہ مہارت حاصل تھی کہ بڑے بڑے ماہر فن آپ کے سامنے طفل مکتب نظر آتے تھے چنانچہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر جنہوں نے ہندوستان کے علاوہ یورپ کے ممالک میں تعلیم پائی تھی اور ریاضی میں کمال حاصل کیا تھا اور ہندوستان میں کافی شہرت رکھتے تھے اتفاق سے ان کو ریاضی کے کسی مسئلہ میں اشتباہ ہوا۔ ہر چند کوشش کی مگر وہ مسئلہ حل نہ ہوا، چونکہ صاحبِ حیثیت تھے اور علم کے شائق، اس لیے قصد کیا کہ جرمن جا کر اس کو حل کریں۔ حسن اتفاق سے انھوں نے حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری پروفیسر دینیات مسلم یونیورسٹی سے اس کا ذکر کیا۔ مولانا نے مشورہ دیا کہ آپ بریلی جا کر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے دریافت کیجیے انشاء اللہ تعالیٰ وہ ضرور حل کر دیں گے، وائس چانسلر صاحب نے کہا کہ مولانا یہ آپ کیا فرما رہے ہیں میں کہاں کہاں تعلیم پا کر نہیں آیا ہوں اور حل نہ کر سکا اور آپ ان صاحب کا نام لیتے ہیں جنہوں نے غیر ممالک میں تو کجا اپنے شہر کے کالج میں بھی تعلیم حاصل نہ کی وہ بھلا کیا حل کر سکتے ہیں۔ دو چار روز کے بعد مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے ان کو پریشان دیکھ کر دوبارہ یہی مشورہ دیا لیکن وائس چانسلر صاحب نے کہا وہ کیا حل کر سکتے ہیں اور یورپ جانے کا سامان شروع کر دیا۔ مولانا موصوف نے جب تیسری بار بریلی جانے کو فرمایا تو وہ غصہ بھرے لہجے میں بولے کہ مولانا عقل بھی کوئی چیز ہے۔ آپ مجھے کیسی رائے دے رہے ہیں۔ اس پر مولانا نے فرمایا آخر اس میں حرج ہی کیا ہے۔ اتنے بڑے سفر کے مقابلے میں بریلی جانا تو کوئی چیز نہیں۔ علی گڑھ سے سیدھی گاڑی جاتی ہے چند گھنٹے کا سفر ہے آپ وہاں ہو تو آئیے پھر تو ان کی سمجھ میں بھی بات آگئی۔ چنانچہ مولانا سید سلیمان اشرف صاحب ان کو لے کر مارہرہ شریف پہنچے اور وہاں سے اعلیٰ حضرت کے پیر زادہ والا درجت حضرت سید مہدی حسن صاحب سجادہ نشین کو لے کر بریلی شریف اعلیٰ حضرت کے دولت کدہ پر پہنچے اعلیٰ حضرت نے مزاج پرسی فرمائی اور آنے کی غرض دریافت کی، وائس چانسلر صاحب نے بتایا کہ میں ریاضی کا ایک مسئلہ پوچھنے آیا ہوں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا پوچھیے، وائس چانسلر صاحب نے کہا کہ وہ ایسی بات نہیں ہے جسے میں اتنی جلدی عرض کر دوں اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ کچھ تو کہیے، وائس چانسلر صاحب نے مسئلہ بتایا تو اعلیٰ حضرت نے سنتے ہی فرمایا کہ اس کا جواب یہ ہے۔ یہ سن کر ان کو حیرت ہوگئی اور گویا آنکھ سے پردہ اٹھ گیا۔ بے اختیار بول اُٹھے کہ میں سنا کرتا تھا کہ عِلْمِ لَدُنِّی بھی کوئی چیز ہے۔ آج آنکھ سے دیکھ لیا میں تو اس مسئلہ کے حل کے لئے جرمن جانا چاہتا تھا کہ ہمارے پروفیسر صاحب جناب مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے میری رہبری فرمائی مجھے جواب سن کر تو ایسا معلوم ہو رہا ہے گویا جناب اسی مسئلہ کو کتاب میں دیکھ رہے تھے۔ سنتے ہی فی البدیہ تشفی بخش نہایت اطمینان کا جواب دیا۔ پھر وائس چانسلر صاحب بہت شاداں و فرحاں علی گڑھ واپس ہوئے۔ (سوانح اعلیٰ حضرت صفحہ 111 تا 113)

فن توقیت میں جو آپ ملکہ حاصل تھا اس کا ذکر حضرت علامہ بدر الدین احمد اس طرح کرتے ہیں فن توقیت میں اعلیٰ حضرت کے کمال کا یہ عالم تھا کہ سورج آج کب نکلے گا اور کس وقت ڈوبے گا اس کو بلا تکلف معلوم کر لیتے، ستاروں کی معرفت اور ان کی چال کی شناخت پر اس قدر عبور تھا کہ رات میں تارا اور دن میں سورج دیکھ کر گھڑی ملا لیا کرتے اور وقت بالکل صحیح ہوتا ایک منٹ کا بھی فرق نہ پڑتا۔

اولاد: 1291ھ میں آپ کی شادی ہوئی، آپ کے یہاں دو صاحب زادے، حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں اور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا شاہ محمد مصطفی رضا خاں علیہما الرحمہ اور پانچ صاحب زادیاں تولد ہوئیں۔

شرف بیعت: 1295ھ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی، اپنے والد ماجد حضرت علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمہ کے ہمراہ مارہرہ شریف گئے اور وہاں حضرت علامہ مولانا سید شاہ آل رسول احمدی علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ آپ کے پیرو مرشد نے بیعت فرماتے ہی آپ کو تمام سلاسل کی اجازت وخلافت عطا فرمائی۔

تدریس: تحصیل علم کے فوراً بعد آپ نے تدریس اور افتا کی طرف توجہ فرمائی۔ چوں کہ بریلی شریف میں اس وقت کوئی مدرسہ نہیں تھا چنانچہ طلبا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی طرف رجوع کرتے، انہیں دنوں کا ایک واقعہ ملک العلما حضرت علامہ محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ اپنی تصنیف 'حیات اعلیٰ حضرت' میں اس طرح بیان فرماتے ہیں!!!

"اسی زمانے کا ایک واقعہ جناب مولوی محمد شاہ خاں عرف نتھن خاں صاحب بیان فرماتے تھے کہ ایک دن تین طالب علم نئے آئے اور اعلیٰ حضرت سے پڑھنے کا ارادہ ظاہر کیا، میں نے دریافت کیا کہ کہاں سے آپ لوگ آئے ہیں، اس سے پہلے کہاں پڑھتے تھے وہ لوگ بولے دیوبند میں پڑھتے تھے وہاں سے گنگوہ گئے، اس کے بعد یہاں آئے ہیں میں نے کہا کہ یوں تو طلبا کو یہ مرض ہوتا ہے کہ وہاں پڑھائی بہتر ہے اسی لیے ایک جگہ جم کر بہت کم پڑھتے ہیں بلکہ دو چار جگہ جا کر ضرور دیکھا کرتے ہیں، مگر یہ عموماً ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں کی تعریف انسان سنتا ہے لیکن میرے خیال میں یہ بات نہیں آتی کہ آپ لوگوں نے دیوبند یا گنگوہ میں بریلی کی تعریف سنی ہو، اور اس وجہ سے یہاں کے مشتاق ہو کر تشریف لائے ہوں۔ بولے یہ آپ ٹھیک کہتے ہیں، اختلاف مذہب واختلاف خیال کی وجہ سے اکثر تو بریلی کی برائی ہی ہوا کرتی تھی، مگر ٹیپ کا بند یہ ضرور ہوتا کہ قلم کا بادشاہ ہے جس مسئلہ پر قلم اٹھا دیا پھر کسی کی مجال نہیں کہ ان کے خلاف کچھ لکھ سکے، یہی دیوبند میں سنا اور یہی گنگوہ میں بھی۔ تو ہم لوگوں کے دلوں میں شوق وذوق ہوا کہ وہیں چل کر علم حاصل کرنا چاہیے جن کے مخالفین، فضل وکمال کی گواہی دیتے ہیں"۔

سفر حج وزیارت: 1295ھ میں اعلیٰ حضرت اپنے والد ماجد کے ہم راہ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے، جہاں آپ نے اکابر علمائے عرب سے سند حدیث حاصل فرمائی، ایک دن آپ مقام ابراہیم پر نماز ادا فرما رہے تھے کہ نماز کے بعد امام شافعیہ حضرت حسین بن صالح جمال اللیل نے بغیر کسی تعارف کے آپ کا ہاتھ تھاما اور اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے اور دیر تک آپ کی پیشانی پکڑ کر فرمایا!!!

"اِنِّیْ لَاَجِدُ نُوْرَ اللّٰہِ فِیْ ھٰذَا الْجَبِیْنِ"۔ "بے شک میں اللہ کا نور اس پیشانی میں پاتا ہوں"۔

اور صحاح ستہ اور سلسلہ قادریہ کی اجازت اپنے دست مبارک سے لکھ کر عنایت فرمائی، اس سند کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں امام بخاری تک فقط گیارہ واسطے ہیں۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ص:133)

دوسرا حج آپ نے 1323ھ میں اپنی اہلیہ، برادر اصغر حضرت مولانا محمد رضا خاں اور فرزند اکبر حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں علیہم الرحمہ کے ساتھ فرمایا، اس بار جب مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو شوق دیدار میں دیر تک مواجہہ اقدس کے سامنے درود شریف پڑھتے رہے، اس یقین کے ساتھ کہ سرکار ابد قرار عزت افزائی فرمائیں گے۔ لیکن پہلی شب ایسا نہ ہوا تو کچھ کبیدہ خاطر ہو کر ایک غزل لکھی جس کا مطلع یہ ہے۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

اس کے مقطع میں اسی تڑپ کی طرف اشارہ کیا، فرماتے ہیں۔

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضاؔ
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

یہ غزل مواجہہ اقدس میں عرض کر کے انتظار میں مؤدب بیٹھے تھے کہ قسمت جاگ اٹھی اور چشم سر سے بیداری میں سرکار ابد قرار ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

اتباع شریعت: اتباع شریعت کا اس قدر التزام فرماتے کہ فرائض اور واجبات تو کجا سنن اور مستحبات پر بھی ہر ممکن عمل فرماتے چنانچہ سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک روز فجر کی نماز پڑھانے کے لیے آنے میں اعلیٰ حضرت کو کچھ دیر ہوگئی، نمازیوں کی نگاہیں بار بار کاشانہ اقدس کی اٹھ رہی تھیں، اسی اثنا میں اعلیٰ حضرت جلد جلد تشریف لائے، اس وقت قناعت علی صاحب نے مجھ پر اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ اس تنگ وقت میں دیکھنا یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت مسجد میں پہلے دایاں قدم رکھتے ہیں یا بایاں، مگر قربان اس ذات کے کہ دروازۂ مسجد کے زینے پر جس وقت قدم مبارک پہنچا ہے تو سیدھا، تو سیعی فرش مسجد پر قدم پہنچتا ہے تو دایاں اور اسی پر بس نہیں ہر صف پر تقدیم داہنے ہی قدم سے فرمائی یہاں تک کہ محراب میں مصلے پر قدم پاک سیدھا ہی پہنچتا ہے اور اسی پر کہاں منحصر ہے بینی پاک کرنے اور استنجا فرمانے کے سوا حضور کے ہر فعل کی ابتدا سیدھے ہی جانب سے ہوتی تھی۔

اگر کسی کو کوئی شے دینا ہوتی اور اس نے الٹا ہاتھ لینے کو بڑھایا، فوراً اپنا دست مبارک روک لیتے اور فرماتے سیدھے ہاتھ میں لیجیے، الٹے ہاتھ

سے شیطان لیتا ہے۔

اعدادِ بسم اللہ شریف 786 عام طور سے لوگ جب لکھتے ہیں تو ابتدا "7" سے کرتے ہیں پھر "8" لکھتے ہیں اس کے بعد "6" مگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سیدھی طرف سے ابتدا کرتے ہوئے پہلے "6" تحریر فرماتے پھر "8" اور اس کے بعد "7" تحریر فرماتے۔

قوت حافظہ: اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بے مثال قوت حافظہ عطا فرمائی تھی چنانچہ حضرت علامہ محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ!!!

"اعلیٰ حضرت ایک مرتبہ پیلی بھیت تشریف لے گئے اور حضرت استاذی مولانا وصی احمد محدث سورتی قدس سرہ کے مہمان ہوئے۔ اثنائے گفتگو میں عقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ کا ذکر نکلا۔ حضرت محدث سورتی صاحب نے فرمایا! میرے کتب خانہ میں ہے۔ اتفاق ہے کہ اعلیٰ حضرت کے کتب خانہ میں کتابوں کا کافی ذخیرہ تھا، اور ہر سال معقول رقم کی نئی نئی کتابیں آیا کرتی تھیں۔ مگر اس وقت تک عقود الدریہ منگوانے کا اتفاق نہ ہوا تھا، اعلیٰ حضرت نے فرمایا! میں نے نہیں دیکھی ہے، جاتے وقت میرے ساتھ کر دیجیے گا۔ حضرت محدث سورتی صاحب نے بخوشی قبول کیا، اور کتاب لاکر حاضر کردی۔ مگر ساتھ ساتھ فرمایا کہ جب ملاحظہ فرمالیں تو بھیج دیجیے گا۔ اس لیے کہ آپ کے یہاں تو بہت کتابیں ہیں۔ میرے پاس یہی گنتی کی چند کتابیں ہیں، جن سے فتویٰ دیا کرتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا! اچھا۔ اعلیٰ حضرت کا قصد اسی دن واپسی کا تھا، مگر اعلیٰ حضرت کے ایک جاں نثار مرید نے حضرت کی دعوت کی، اس وجہ سے رک جانا پڑا۔ شب کو اعلیٰ حضرت نے عقود الدریہ کو جو ایک ضخیم کتاب دو جلدوں میں تھی، ملاحظہ فرمالیا۔ دوسرے دن دوپہر کے بعد ظہر کی نماز پڑھ کر گاڑی کا وقت تھا۔ بریلی شریف روانگی کا قصد فرمایا۔ جب اسباب درست کیا جانے لگا تو عقود الدریہ کو بجائے سامان میں رکھنے کے فرمایا کہ محدث صاحب کو دے آؤ، مجھے تعجب ہوا کہ قصد لے جانے کا تھا، واپس کیوں فرمارہے ہیں؟ لیکن کچھ بولنے کی ہمت نہ ہوئی۔ حضرت محدث سورتی صاحب کی خدمت میں میں نے حاضر کی، وہ اعلیٰ حضرت سے ملنے اور اسٹیشن تک ساتھ جانے کے لیے اپنے مکان سے تشریف لا ہی رہے تھے کہ میں نے اعلیٰ حضرت کا ارشاد فرمایا ہوا جملہ عرض کیا، فرمایا! تم کتاب لیے میرے ساتھ واپس چلو میں اس کتاب کو لیے ہوئے حضرت محدث صاحب کے ساتھ واپس ہوا۔ حضرت محدث صاحب نے اعلیٰ حضرت سے کہا کہ میرا یہ کہنا کہ "جب ملاحظہ فرمالیں تو بھیج دیجیے گا" ملال ہوا کہ اس کتاب کو واپس کیا۔ فرمایا! قصد بریلی ساتھ لے جانے کا تھا، اور اگر کل ہی جاتا تو اس کتاب کو ساتھ لیتا جاتا۔ لیکن جب کل جانا نہ ہوا تو شب میں اور صبح کے وقت پوری کتاب دیکھ لی اب لے جانے کی ضرورت نہ رہی۔ حضرت محدث سورتی صاحب نے فرمایا: بس ایک مرتبہ دیکھ لینا کافی ہو گیا؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ دو تین مہینہ تک تو جہاں کی عبارت کی ضرورت ہوگی، فتاویٰ میں لکھ دوں گا اور مضمون تو انشاء اللہ عمر بھر کے لیے محفوظ ہو گیا"۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت)

نیز ایک روز ارشاد فرمایا کہ بعض ناواقف لوگ میرے نام کے ساتھ حافظ لکھ دیا کرتے ہیں حالاں کہ میں حافظ نہیں ہوں، ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ اگر کوئی حافظ صاحب کلام پاک کا ایک رکوع ایک بار پڑھ کر سنادیں وہ مجھے یاد ہو جائیگا، وہ دوبارہ مجھ سے سن لیں، یہ کہہ کر اسی دن سے دور شروع فرمادیا اور تیس دن میں تیس پارے سنادیے۔ یوں ایک ماہ میں پورا قرآن مجید حفظ کرلیا۔

علم ریاضی میں مہارت: علم ریاضی میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی مہارت کا ایک واقعہ تو پڑھ چکے اسی کتاب سے ایک اور واقعہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

ایک مرتبہ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے علم المربعات کا ایک سوال اخبار دبدبۂ سکندری رامپور میں شائع کرایا کہ کوئی ریاضی دان صاحب اس کا جواب دیں، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے جب ملاحظہ فرمایا تو اس کا جواب تحریر فرمایا اور ساتھ ساتھ اسی فن کا ایک سوال بھی جواب کے لیے تحریر فرمایا۔ وہ جواب اور پھر سوال چھپا تو ڈاکٹر صاحب کو حیرت ہوئی کہ ایک عالم دین بھی اس علم کو جانتا ہے چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے اس کا جواب اخبار دبدبۂ سکندری میں چھپوایا، اتفاق سے وہ جواب غلط تھا، اعلیٰ حضرت نے اس کی تغلیط کی، متحیر تو ڈاکٹر صاحب پہلے ہی سے تھے اب ان کو سخت تعجب ہوا کہ ایک عالم دین صرف جانتا ہی نہیں بلکہ اس میں کمال رکھتا ہے یہ دیکھ کر ڈاکٹر صاحب کو اعلیٰ حضرت سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ چنانچہ خط کے ذریعہ اعلیٰ حضرت سے اجازت طلب کرکے ڈاکٹر صاحب بریلی شریف حاضر ہوئے۔ اعلیٰ حضرت نے اپنا ایک قلمی رسالہ جس میں اکثر اشکال مثلث اور دوائر کے بنے تھے، ڈاکٹر صاحب کو دکھایا، ڈاکٹر صاحب نے نہایت حیرت اور استعجاب سے اسے دیکھا اور بالآخر فرمایا کہ میں نے اس علم کو حاصل کرنے کے لیے غیر ممالک کے اکثر سفر کیے، مگر یہ باتیں کہیں بھی حاصل نہ ہوئیں میں تو اپنے آپ کو بالکل طفل مکتب سمجھ رہا ہوں، مولانا یہ تو فرمائیے آپ کا اس فن میں استاد کون ہے؟ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا: میرا کوئی استاد نہیں ہے، میں نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ سے صرف چار قاعدے جمع، تفریق، ضرب، تقسیم محض اس لیے سیکھے کہ ترکہ کے مسائل میں ان کی ضرورت پڑتی ہے، شرح چغمینی شروع کی تھی کہ حضرت والد ماجد نے فرمایا، کیوں اپنا وقت اس میں صرف کرتے ہو، مصطفیٰ پیارے ﷺ کی سرکار سے یہ تم کو خود ہی سکھا دیے جائیں گے۔

چنانچہ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں سرکار رسالت ﷺ کا کرم ہے۔

کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن: اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے غلبہ علم کا یہ عالم تھا کہ جب صدرالشریعہ بدرالطریقہ مولانا حکیم محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ مصنف بہارِ شریعت نے قرآن مجید کے صحیح اردو ترجمہ کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے عرض کی تو اعلیٰ حضرت نے کثیر مشاغل دینیہ کی وجہ سے فرصت نہ پاتے ہوئے فرمایا کہ اتنا وقت تو نہیں لیکن شام میں کاغذ قلم اور دوات لے کر آجایا کریں۔ چناں چہ حضرت صدرالشریعہ حاضر ہوجاتے اور جتنا ممکن ہوتا اعلیٰ حضرت بغیر کسی تفسیر ولغت کے فی البدیہ ترجمہ ارشاد فرماتے جاتے، جیسے کوئی حافظ قرآن فر فر قرآنی آیات پڑھتا جاتا ہے بعد میں صدرالشریعہ اس ترجمہ کو دیگر تفاسیر سے ملاتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ فی البدیہ ترجمہ معتبر تفاسیر کے عین مطابق ہے۔

تصانیف: اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے تقریباً 50 علوم وفنون پر ایک ہزار سے زائد کتب تصنیف فرمائیں۔ ان علوم میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ جن کے آپ موجد تھے اور بعض ایسے کہ آپ کے وصال کے بعد اب ان علوم کی ادنی معلومات رکھنے والا بھی کوئی نظر نہیں آتا۔ نیز مختلف فنون کی ڈیڑھ سو کے قریب مشہور کتابوں پر آپ نے حواشی تحریر فرمائے جو کسی طرح بھی مستقل تصانیف سے کم نہیں۔

آپ کا ترجمہ قرآن کنزالایمان، آپ کی قرآن فہمی کا بین ثبوت ہے، جب کہ میدان فقاہت اور تحقیق میں آپ کا عظیم علمی شاہکار آپ کا مجموعہ فتاویٰ، العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ، جو پرانی طباعت میں جہازی سائز کی ۱۲ جلدوں پر مشتمل اور کئی ہزار صفحات پر پھیلا ہوا ہے جب کہ جدید طباعت میں 26 جلدوں پر مشتمل ہے۔ آپ کے فتاویٰ کو دیکھ کر مکہ مکرمہ کے جلیل القدر عالم دین حضرت مولانا سید اسماعیل بن سید خلیل علیہما الرحمہ کو کہنا پڑا کہ! ”اگر امام اعظم ابوحنیفہ اس ہستی کو دیکھتے تو اپنے اصحاب میں شامل فرمالیتے“۔

اور تیسرا شاہ کار آپ کا مجموعہ نعت ”حدائق بخشش“ ہے جو فن شاعری میں اپنی مثال آپ ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کو جتنے بھی علوم حاصل تھے ان میں سے بہت کم حصہ کسبی تھا اکثر علوم وفنون وہبی اور عطائی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ کیسا ہی سوال آتا، چاہے اس کا تعلق لوگارتھم، فلکیات، ارضیات، معدنیات، طب، معاشیات، بنکاری، جغرافیہ، عمرانیات کسی شعبہ سے ہوتا یہ نہ کہا جاتا کہ اس شعبہ سے ہمارا تعلق نہیں، بلکہ اس کا ایسا تسلی بخش جواب دیا جاتا کہ اس فن کے ماہر دیکھ کر حیران رہ جاتے۔ اور اس طرح نہ صرف لوگوں کی رہنمائی فرمائی بلکہ اس دور میں اٹھنے والے فتنوں کا سد باب کیا جب کہ اس وقت مسلمانان پاک وہند کے مذہبی، سیاسی، معاشی اور تمدنی نظریات وروایات پر تابڑ توڑ حملے کیے جا رہے تھے ایک طرف برسہابرس سے قائم مسلمانوں کے عقائد اور معمولات کو کفرو شرک ٹھہرایا جانے لگا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاتم النبیین ہونے کے نئے معنی وضع کیے جا رہے تھے، کہیں قرآن پر کہیں حدیث پر کہیں ائمہ دین پر تو کہیں اولیاے کاملین پر اعتراضات کیے جا رہے تھے تو دوسری طرف مسلمانوں کو ہندؤوں کے قریب لاکر ہندوؤں کی خوش نودی کے لیے گائے کی قربانی ترک کرکے شعار اسلامی کو مٹانے کی کوشش کی جا رہی تھی، تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے پردہ میں مسلمانوں کو بے دست وپا کیا جا رہا تھا، تحریک ہجرت چلاکر مسلمانوں کو ان کی زمینوں اور جائیدادوں سے محروم کیا جا رہا تھا، انگریزی اور ہندوانہ تہذیب کو مسلط کیا جا رہا تھا اور جب گاندھی نے متحدہ قومیت کا نعرہ لگایا تو بڑے بڑے نامور لوگ اس سازش کو نہ سمجھ سکے اور گاندھی کی آندھی میں بہ گئے۔ اس وقت اعلیٰ حضرت امام اہل سنّت مولانا شاہ احمد رضاخاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ ہی تھے جنہوں نے دوقومی نظریہ کا علم بلند کیا، اور اپنی مجددانہ شان کے ساتھ ان اعداے دین وملت کو اس طرح للکارا کہ!

کلک رضا ہے خنجر خون خوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

غرض یہ کہ ہر محاذ پر آپ نے باطل اور فتنہ پرور لوگوں اور جماعتوں کا تن تنہا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اور چو مکھی لڑائی لڑی۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے وہ وہ کارہائے نمایاں انجام دیے کہ جس کی مثال نہیں ملتی یہی وجہ ہے کہ چوٹی کے علماے عرب وعجم نے آپ کو چودہویں صدی کا مجدد قرار دیا۔ اگر ہم اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی بے مثال علمی اور تحقیقی خدمات کو ان کی 65 سالہ زندگی پر تقسیم کریں تو ہر 5 گھنٹے میں اعلیٰ حضرت اس امت کو ایک کتاب دیتے ہوئے نظر آتے ہیں، بلاشبہ یہ وہ خدمات ہیں جو کوئی ادارہ اور انسٹیٹیوٹ ہی کر سکتا ہے جسے بریلی کی سرزمین کے اس بوریہ نشیں نے تن تنہا کر دکھایا۔

وصال: اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے وصال سے تقریباً پانچ ماہ قبل کوہ بھوالی پر ۳ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ کو اپنے وصال کی تاریخ اس آیت کریمہ سے نکالی! ”وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ“ یعنی خدام چاندی کے برتن اور آبخورے لے کر (جنت میں) ان کے گرد گھوم رہے ہیں“ اور پھر اپنا مشن پورا کر کے 25 صفر المظفر (1340ھ/1921ء) بروز جمعۃ المبارک 2 بج کر 38 منٹ پر، عین اذان جمعہ کے وقت حی علی الفلاح کا نغمۂ جاں فزا سن کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔

☆☆☆

فکروفن

حضرت رضا بریلوی کی اردو نثر نگاری

عبدالرحمٰن پٹیل، گجرات

نثر نگاری کا فنکار وہ ہوتا ہے جس کی نثر قاری کے گرد سماں باندھ دے اور اسے اپنا گرویدہ بنا لے، بات اپنی پیش کرے یا دوسرے کی نقل کرے، اتفاق کرے یا اختلاف، تنقید کرے یا تبصرہ بہر صورت اس کی تحریر میں پختگی، روانی، تازگی اور غیر جانبداری ساتھ ساتھ چل رہی ہو، تو مان لینا چاہیے کہ ایسا شخص عبارت آرائی کے دوران تکلفات کا سہارا نہیں لیتا بلکہ یہ اس کی فطرت سلیمہ سے ابل کر نوکِ قلم سے بہنے والا ادب کا خالص چشمہ ہے، جسے پی کر انصاف پسند قاری اپنی علم جو طبیعت اور تحقیق پسند ذہن کو سیراب کرتا ہے۔ اس ضمن میں امام احمد رضا کی اردو نثر نگاری کے کچھ دلکش و دل پذیر نمونے ملاحظہ کیجیے اور ملک سخن کے اِس شاہ کو خراجِ ادب پیش کیجیے۔

(الف) علم غیب کا مسئلہ امام احمد رضا کے دور میں زبان زدِ خاص وعام رہا۔ منکرین کی جانب سے عام طور پر یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ مخلوق کے لیے اس وصف کو ماننا خدا کی برابری کا سبب ہوگا، اس مغالطے کے رد میں خدا کے علم غیب اور مخلوق کے علم غیب کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

”افسوس! اِن شرک فروش اندھوں کو اتنا نہیں سوجھتا کہ علمِ الٰہی ذاتی ہے اور علمِ خلق عطائی۔ وہ واجب، یہ ممکن۔ وہ قدیم، یہ حادث۔ وہ نامخلوق، یہ مخلوق۔ وہ نامقدور، یہ مقدور۔ وہ ضروریُ البقا، یہ جائزُالفنا۔ وہ ممتنع التغیّر، یہ ممکن التبدّل۔ ان عظیم تفرقوں کے بعد احتمالِ شرک نہ ہوگا مگر کسی مجنوں کو۔“ (انباء المصطفیٰ بحال سر واخفی)

اس چھوٹے سے فقرہ کے ادبی محاسن کا کیا کہنا!!! ’شرک فروش‘ کی تعبیر طنزِ لطیف کی کیسی اعلیٰ مثال ہے، عبارت کی روانی ہے یا الفاظ کا بہتا ہوا جھرنا، معانی کا تسلسل ہے یا موجوں کی طغیانی، زورِ بیان ایسا کہ خطیب شعلہ بار کی یاد دلائے، حسنِ تضاد سات منزلوں تک پہنچا ہوا، مزید اس پر صنعت مقابلہ کا رنگ و روغن، اصطلاحات کی کثرت کے باوجود عبارت بلا کی سہل انگیز، جس ’اندھے‘ کے لیے اتنی دلکش دعوت بھی اثر انگیز نہ ہو عقل کہتی ہے کہ اسے ’مجنوں‘ قرار دینا ہی حُسنِ معنی کا بھرم رکھنا ہے۔ پھر اس پورے منظر کے شروع میں ”افسوس“ کے لفظ نے دل کا درد نچوڑ کر رکھ دیا ہے اور لکھنے والے کے جذبۂ خیر خواہی کو عیاں کر دیا ہے، گویا اختصار نے اظہار کی ہر جہت کو سمیٹ رکھا ہے۔ اس سب کے ساتھ برجستگی کا یہ عالم کہ تحریر صرف آنکھوں کو نہیں چھوتی، بلکہ دل میں اتر جاتی ہے۔ اس طرح اردو کے اس عظیم نثر نگار نے شرک فروش اندھے کو صرف چار سے پانچ سطروں کے سہارے جنون کی وادیوں تک پہنچا دیا۔ یہ عبارت ہے یا جادو اس کا فیصلہ تو ادب دوست حضرات ہی کر سکتے ہیں۔

(ب) امام احمد رضا کے دور میں کچھ لوگوں نے نسل و نسب اور رشتہ داری کا سہارا لے کر افضلیت صدیقی کے اجماعی مسئلہ میں رخنہ ڈالنے کوشش کی، ان پر اصل مسئلہ واضح کرتے ہوئے آپ نے لکھا:

”اس میں شک نہیں کہ نکوئی زن وخوبی اولاد سعاداتِ مطلوبہ سے ہے، اور اہل فضل سے مصاہرت ترقی بخشِ وجاہت، علی الخصوص انبیا، لاسیما سید الوری (علیہ وعلیہم التحیۃ والثناء) سے یہ علاقہ، اُس عظیم شرف سے ممتاز کہ اگر ہنگامِ فخر و ناز آسمان پر قدم نہ رکھیں تو بجا، مگر تاہم یہ باتیں امورِ خارجہ ہیں، نہ محاسنِ ذاتیہ۔ لہٰذا اہل وعیال کی برائی سے نہ ذاتِ مرد میں کوئی نقص پیدا ہو، اور نہ ان کی خوبی و بہتری سے نفسِ شخص میں کچھ فضیلت زیادہ ہو... پس نساء و اطفال میں باہم موازنہ کر کے تفضیل پر دلیل چاہنا ابرِ تصویر سے بہار یا شیرِ قالین سے شکار مانگنا ہے... ان زوائد کو افضلیتِ متنازع فیہا کی دلیل ابتدائی مستقل ٹھہرانا مجمعِ عُقلاء میں زعفران زارِ کشمیر یاد دلانا ہے۔“ (مطلع القمرین)

ذرا اس عبارت کا اتار چڑھاؤ دیکھیے! بات سعاداتِ مطلوبہ سے شروع ہو کر اہلِ فضل کے وجاہت بخش تعلق تک پہنچی، وہاں سے وہ عروج ملا کہ زمین تو کُجا اب فخریہ انداز میں آسمان پر قدم رکھنا بھی گوارا نہیں کیوں کہ مصاہرتِ پیغمبراں عرش کی ناز برداری کا مقام ہے۔

abdurrahmanpatel786@gmail.com

پھر "مگر" کہتے ہوئے تنزّل کی طرف مائل ہوئے۔ پہلے درجے میں ان تعلقات کو امور خارجہ قرار دیا، دوسرے میں اہل و عیال کی برائی سے ذاتِ مرد میں نقص پیدا ہونے کی نفی کی اور تیسرے درکے میں ان کی خوبی کی وجہ سے نفسِ ذات میں کمال کی زیادتی کا بھی انکار کردیا۔

تین درجہ چڑھنے پھر اتنا ہی اترنے کے بعد اعتدال کے زینے پر لوٹے اور فیصلہ سنایا کہ نساء و اطفال میں موازنہ کرکے افضلیت صدیقی سے منہ موڑنا بادل کی فوٹو سے بارش مانگنے یا قالین پر چھپے شیر سے شکار کی امید لگانے کی طرح عبث و بے کار ہے۔ ادیب کی طرح قاری بھی توازن کے زینے پر پلٹ آیا ہو تو دوبارہ نظر اٹھا کر دیکھے کہ امور خارجہ اور محاسن ذاتیہ کا تقابل کتنا معنی خیز ہے، ذاتِ مرد اور نفسِ شخص کا ترادف کیسا سحر انگیز ہے، عبارت کی اِس چھوٹی سی دیوار پر شیرِ قالین، ابرِ تصویر اور زعفران زارِ کشمیر کے محاوروں کا فریم ورک کتنا جچ رہا ہے۔ ہم چاہتے تو اسے عبارت کے شیش محل میں لٹکتی محاورات کی قندیلیں بھی کہہ سکتے تھے مگر اس میں فریم ورک والی جدّت کہاں۔ اخیر میں "دلیلِ ابتدائی مستقل" کی تعبیر میں جو پختگی، نفاست اور گہرائی ہے اس سے تو علمِ کلام یا قانون کا کوئی ماہر ہی لطف اندوز ہو سکتا ہے۔

کیا ایک دقیق مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے اتنے سارے ادبی محاسن کا لحاظ رکھنا ممکن ہے؟ ہرگز نہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ عبارتوں کی یہ چاشنی آپ کے خوشبودار کردار کا لازمہ تھی، جو سیاہی میں ڈھل کر قاری کا ذہن میٹھا کرتی ہے۔

(ج) نیوٹن کے نظریہ جاذبیت (Theory of Gravity) نے جدید دور کے تمام خیالات کو اپنی طرف کھینچ رکھا تھا، ایسے میں جاذبیت کے رد میں قلم کا منہ کھولنے کی بات تو دور رہی، سرے سے منہ کھولنا بھی جرم سمجھا جاتا تھا۔ پھر کسی مذہبی شخصیت کا ایسے کسی نظریہ پر نقد کرنا، اپنے دامن پر سائنس مخالف ذہنیت کا دھبّا لگوانے کے لیے کافی تھا۔ اس سب کے باوجود امام احمد رضا نے نیوٹن کے نظریہ جاذبیت پر درجنوں اعتراضات کی جھڑی جوڑ دی۔ آپ نے نیوٹن کی جاذبیت کا خالص علمی و سائنسی رد لکھا ہے، جس کی شروعات ان الفاظ سے ہوتی ہے:

"ہر جسم میں دوسرے کو اپنی طرف کھینچنے کی ایک قوت طبیعی ہے جسے جاذبہ یا جاذبیت کہتے ہیں، اس کا پتہ نیوٹن کو 1665ء میں اس وقت چلا جب وہ وبا سے بھاگ کر کسی گاؤں گیا۔ باغ میں تھا کہ کسی درخت سے سیب ٹوٹا، اسے دیکھ کر اسے سلسلہ خیالات چھوٹا، جس سے قواعدِ کشش کا بھبوکا پھوٹا۔

اقول: سیب کے گرنے اور جاذبیت کا آسیب جاگنے میں علاقہ بھی ایسا ہی لزوم کا تھا کہ وہ گرا اور یہ اچھلا، کیوں کہ اس کے سوا اس کا کوئی سبب ہو سکتا ہی نہ تھا۔۔۔۔۔۔ تعجب یہ کہ اس سیب سے پہلے نیوٹن نے بھی کوئی چیز زمین پر گرتے نہ دیکھی یا جب تک اس کا کوئی اور سبب خیال میں تھا، جسے اس سیب نے گر کر توڑ دیا۔" (فوز مبین در رد حرکتِ زمین)

اس عبارت میں ادبی محاسن سے زیادہ علمی دیانت کا حُسن جھلک رہا ہے۔ مخالف کے نظریہ کو پوری ایمانداری سے جوں کا توں پیش کرنا، علمی دیانت داری کی بہترین مثال ہے۔ نیوٹن کا نظریہ اتنے اختصار اور جامعیت کے ساتھ وہ لوگ بھی بیان نہیں کر پاتے جو جاذبیت میں اس کے حامی بنے بیٹھے ہیں۔ فرنگی زبان کے کسی نظریہ کو اردو میں کوزے میں سمندر کی مانند سمیٹ کر رکھ دینا، حسنِ اختصار کے ساتھ ساتھ زبان پر بلا کی قدرت کا بھی پتا دیتا ہے۔

نظر دوڑائیے تو یہاں محاسن اور بھی ہیں دیانت و اختصار و جامعیت کے سوا۔ ادیبوں کی ایک خوبی کے بارے میں شاید آپ نے نہ سنا ہو کہ جیسے تجوید والے قاری کا گلا لمبے لمبے وقف کرتا ہے ایسے ہی ایک صاحبِ طرز ادیب کا قلم وقفے وقفے سے سانس لیتا ہے۔ سیب ٹوٹا، خیال چھوٹا اور بھبوکا پھوٹا، دیکھیے کتنے دور جا کر قلم کا سانس ٹوٹا۔ پھر سیب اور آسیب کی صنعت بھی کمال کی ہے۔ سیب گرنے سے آسیب کا جاگ کر اچھلنا، نیوٹن کی حالت کی کتنی حقیقی عکاسی ہے۔ آگے کا جملہ کسی منطقی کو سنائیے کہ "کیوں کہ اس کے سوا اس کا کوئی سبب ہو سکتا ہی نہ تھا" جھٹ سے کہے گا یہ تو معلولِ واحد کے لیے تعدّدِ علل کے قاعدے کی طرف اشارہ کر کے زبردست طنز کیا ہے۔ اس کے بعد وہ گرا اور یہ اچھلا، میں مقابلہ کی صنعت دوہرے معانی کا فائدہ دیتی ہے، اس طور پر کہ سیب گرا اور نیوٹن اچھلا یا پھر سیب گرا اور جاذبیت کا خیال اچھلا۔

سائنس کی بنجر اور اصطلاحی جھاڑیوں سے بھری زمین پر روانی و آسانی کے پھولوں سے لدے ہوئے عبارت کے پودے لگانا کتنا مشکل ہے، یہ بات ہر قلمی کسان بخوبی جانتا ہے۔ (باقی ص:36 پر)

انوارِ حیات

حافظ محمد عمرؔ اشرفی مبارک پوری

داستانِ حیات کے چند عشق انگیز پہلو

مہتاب پیامی

حافظ محمد عمر اشرفی مبارکپوری اسی توانا اسلامی فکرِ سخن کے ہم نوا تھے۔ وہ شعر کہتے تھے مگر کبھی فرائض و واجبات سے غافل نہیں ہوئے، نعتِ رسول مقبول ﷺ کہی مگر کہنے تک ہی نہیں کہی بلکہ اسوۂ رسول کو اپنی زندگی میں اتار کر نعت کے شعر کہے۔ ان کے کلام کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کے اشعار شرعی اور فنی عیوب سے کافی دور اور محاسن و کمالات کا مجموعہ ہیں۔ انھوں نے حمدیں بھی کہی ہیں، نعتیں بھی اور مناقب بھی۔ حمد اور مناقب کی تعداد مختصر ہے نعتیں کثیر تعداد میں ہیں سرِ دست ہم آپ کی تحریر کردہ حمدوں سے چند اشعار نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رزاقیت و ربوبیت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اٹھو کہ رزق تمھیں کردگار دیتا ہے
کہ مانگ لو تمھیں پروردگار دیتا ہے
وہ اپنی شبنمِ رحمت سے باغِ عالم میں
کلی کو حسن گلوں کو نکھار دیتا ہے

احوالِ انبیا اور قدرتِ پروردگار کی ضمن میں یہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

کسی کو رکھتا ہے زندہ تو بطنِ ماہی میں
کسی کو نار میں تو لالہ زار دیتا ہے

ایک اور حمد میں خود کو کرم کا امیدوار بتاتے ہوئے کہتے ہیں:

یارب! عمرؔ بھی آج تری بارگاہ میں
تیرے کرم کی بھیک کا امیدوار ہے

آپ کی کہی ہوئی نعتوں کی تعداد ۲۰۰؍ سے تجاوز کر گئی ہیں۔

ذیل میں ہم آپ کے اشعار اور ان پر مختصر تجزیہ پیش کرتے ہیں:

"درود بھیجو سلام بھیجو" ردیف پر آپ کی ایک مکمل نعت، اس کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

عرب کے خورشیدِ پُر ضیا پر درود بھیجو سلام بھیجو
تجلیِ ماہِ آمنہ پر درود بھیجو، سلام بھیجو
نبیِ برحق شہِ ہدیٰ پر، درود بھیجو، سلام بھیجو
ادب سے محبوبِ کبریا پر، درود بھیجو، سلام بھیجو
نذیر بھی ہیں، بشیر بھی ہیں، حبیبِ ربِّ قدیر بھی ہیں
تمام عالم کے رہنما پر، درود بھیجو، سلام بھیجو
وہ تپ ہو، لرزہ ہو یا بلا ہو کہ اور کوئی بھی عارضہ ہو
ملے سکوں تم جو مصطفیٰ پر، درود بھیجو، سلام بھیجو

اتنی آسان زبان کہ پڑھتے جائیے اور محظوظ ہوتے جائیے، نہ کہیں کوئی الجھاؤ نہ فنی موشگافیاں، عقیدت و محبت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی سیدھے سیدھے دل کے اندر اتر جانے والی اور درود و سلام کی عظمت کا اظہار کرنے والی یہ باتیں بے شک اس بات کی آئینہ دار ہیں کہ شاعر ترسیلِ مفہوم اور تبلیغِ عقیدت میں ید طولیٰ رکھتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں۔

جو دیکھا قرآن کو اٹھا کر، ملا یہ فرمانِ ربِّ اکبر
نبی کی ذاتِ مقدسہ پر، درود بھیجو، سلام بھیجو

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾"

"یعنی بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے پر، پس اے ایمان والو! تم بھی ان پر خوب خوب درود اور سلام بھیجو۔"

حق جل شانہٗ نے قرآن مجید میں بہت سے احکام نازل

فرمائے ہیں، بہت سے انبیا کی تعریف و توصیف بھی فرمائی ہے اور بعض پر بعض کی فضیلت کا بیان بھی کیا ہے، مگر کسی کے لیے یہ نہیں فرمایا کہ میں یہ کام کرتا ہوں تم بھی یہ کام کرو۔ یہ اعزاز و اکرام اور عظمت و سربلندی صرف فخرِ موجودات، وجہِ وجودِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صلاۃ کی نسبت پہلے تو اپنی طرف اس کے بعد اپنے پاک فرشتوں کی طرف کی پھر اس کے بعد حکم فرمایا کہ اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں، پس اے مومنو! تم بھی اس غیب بتانے والے پر درود بھیجو۔

حافظ محمد عمر اشرفی مبارکپوری کا مذکورہ بالا شعر اسی تاکیدی حکم کا بلیغ اظہاریہ ہے اور سہلِ ممتنع کی زبان کا ایک اعلیٰ اور معیاری نمونہ بھی۔

آپ کا ایک اور کلام میرے پیشِ نظر ہے جس کی ردیف ہے "چھوڑ کر" قافیہ کے ساتھ ردیف کی ہم آہنگی، مضامینِ سخن کی تازہ کاری اور حسنِ عقیدت ان سب نے مل کر اس کلام کو سہ آتشہ بنا دیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

مرغِ دل جائے کہاں باغِ مدینہ چھوڑ کر
روح پرور صبحِ طیبہ کا اُجالا چھوڑ کر
دیدِ طیبہ کو نوا سنجانِ گلزارِ جناں
آ رہے ہیں اپنا اپنا آشیانہ چھوڑ کر
وہ کھڑا ہی رہ گیا رنج و الم کی دھوپ میں
جو گیا ان کی رِدا کا شامیانہ چھوڑ کر
دل کی ہر دھڑکن سے پیہم آ رہی ہے یہ صدا
چل مدینہ اے عمرؔ اپنا پرایا چھوڑ کر

بیشک حضورِ اکرم ﷺ کا نامِ نامی ہر غم کا مداوا، ہر دکھ کی دوا اور ہر زخم کا مرہم ہے یہ ہم اہلِ سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ کے اسمِ گرامی کی برکت سے بلائیں رد ہوتی ہیں اور مشکلیں آسانیوں میں تبدیل ہوجایا کرتی ہیں، اس عقیدہ کا اظہار حافظ محمد عمر اشرفی نے محاورے کی زبان میں اسی نعت کے درج ذیل شعر میں فرمایا ہے۔

جیسا کہ ہم اور آپ جانتے ہیں کہ محاورے اور روز مرہ کے استعمال سے شعر کی معنویت میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی غنائیت اور موسیقیت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ درج ذیل شعر میں مشہور محاورہ "ہاتھ ملنا" کا کس قدر خوبی کے ساتھ استعمال ہوا ہے، دیکھیے اور داد دیجیے۔

بحرِ غم میں نامِ نامی جب لیا سرکار کا
ہاتھ ملتی رہ گئیں موجیں سفینہ چھوڑ کر

جہاں یہ شعر معنوی اعتبار سے کاملیت کی منزل پر فائز ہے وہیں لفظی اعتبار سے بھی جامع ہے، حشو کا دور دور تک شائبہ بھی نظر نہیں آتا۔

اسی کلام میں حضرت امِ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالے سے ایک شعر درج ہے۔ اس شعر کو صنعتِ تلمیح کا بہترین نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔
بخاری شریف کی ایک حدیث ہے جس کا ترجمہ ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں:

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبیِ اکرم ﷺ کے لیے حضرت ام سلیم چمڑے کا گدا بچھایا کرتیں اور آپ ﷺ اُس گدے پر قیلولہ فرمایا کرتے تھے، ان کا بیان ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ سو جاتے تو وہ آپ ﷺ کا مقدس پسینہ اور موئے مبارک اکٹھا کرتیں اور انھیں ایک شیشی میں ڈال لیتیں اور پھر اسے خوشبو میں ملالیا کرتیں۔ (راوی حدیث) حضرت ثمامہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت انس بن مالک کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے مجھے وصیت فرمائی کہ وہ خوشبو (بطور تبرک) ان کے کفن کو لگائی جائے۔ حضرت ثمامہ بیان کرتے ہیں کہ وہی خوشبو ان کے کفن کو لگائی گئی۔" اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

(أخرجه البخاري، كتاب الاستئذان، باب من زار قومًا فقال عندهم، 2316/5 الرقم:5925۔)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی یہی حدیث الفاظ کی قدرے تبدیلی کے ساتھ مسلم شریف میں بھی درج ہے۔
اب اس تمہیدی گفتگو کے بعد حافظ محمد عمر اشرفی کا شعر ملاحظہ فرمائیے۔

جھوم کر فرطِ خوشی سے بول اٹھیں اُمِّ سلیم
عطر و گل ڈھونڈیں کہاں شہ کا پسینہ چھوڑ کر

اسی قبیل کا ایک اور شعر ایک دوسری نعت میں بھی ہے جس کی ردیف خوشبو ہے۔

گھر کا گھر مست ہو کیوں کر نہ ترا اُمِّ سلیم
جانِ رحمت کے پسینے کی لگا کر خوشبو

اسی نعت کے مزید چند اشعار دیکھیے۔

اے گلِ باغِ خلیلی تری پاکر خوشبو
بانٹتے رہتے ہیں دنیا کو گلِ تر خوشبو

اُن کی سیرت یہ بتاتی ہے شب و روز ہمیں
ہے سراپا شہِ دیں کا تنِ اطہر خوشبو

اسی نعت میں صنعت حسنِ تعلیل کا یہ شعر دیکھیے۔

نکہتِ کعبہ پہ نازاں ہے ابابیل مگر
گنبدِ خضرا کی لیتے ہیں کبوتر خوشبو

میلادِ مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے آپ کا مندرجہ ذیل کلام شاہکار کا درجہ رکھتا ہے میلاد کی عمومی محفلوں میں پڑھا جاتا ہے، اندازِ بیان اس قدر سادہ ہے کہ ایک ایک لفظ سننے والوں کی سماعتوں کو مسحور کرتا چلا جاتا ہے۔ اس کے چند اشعار قارئین کے حوالے کیے جاتے ہیں۔

فلک سے کہتی ہے ارضِ مکہ حضور تشریف لا رہے ہیں
حجابِ نوری ہٹا کے رُخ سے خدا کا جلوہ دکھا رہے ہیں

یہ خانۂ آمنہ کی عظمت کہ ہو رہی ہے نثار جنت
درود پڑھتے ہوئے ملائک برائے دیدار آ رہے ہیں

چہک رہے ہیں طیورِ گلشن مہک رہے ہیں گلوں کے دامن
چمن چمن میں خوشی سے بھنورے نبی کی نعتیں سنا رہے ہیں

فقط حلیمہ کی لوریاں ہی نہیں شہِ انبیا کی خاطر
فرشتے آکر حبیبِ رب کو ادب سے جھولا جھلا رہے ہیں

"دنیا" ردیف پر آپ نے ایک کلام کہا اس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

ضیائے روئے نبی سے چمک گئی دنیا
شمیمِ زلف سے ان کی مہک گئی دنیا

تلاشِ سایۂ سرکار میں بجوش و خروش
ہزاروں بار چلی، چل کے تھک گئی دنیا

حضورِ اکرم ﷺ کا طریقہ اور سنتیں بلا شبہہ راہِ حق کے مسافروں کو منزلِ حق سے آشنا کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے انسانوں کی رہنمائی کے لیے آسمانی کتب نازل فرمائیں اور احکامات کی تعبیر و تشریح کے لیے انبیا کو مبعوث فرمایا۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور حضور ﷺ اس کے آخری رسول۔ اب قیامت تک نہ کوئی کتاب آنی ہے نہ اور کسی نبی و رسول کو مبعوث ہونا ہے۔ اب تمام دنیاوی و اخروی کامیابی اور رحمت و عافیت رحمتِ عالم ﷺ کے دامنِ عمل سے وابستہ رہنے ہی میں ہے۔

آپ ﷺ نے تعلیمِ امت کے لیے عمر بھر جدوجہد کی آپ کی تمام جدوجہد انسانی زندگی کے ہر انفرادی اور اجتماعی دائرے کو محیط ہے۔ اس جدوجہد کے دوران آپ نے جس اسوۂ حسنہ کا مظاہرہ کیا یعنی عملی نمونہ پیش کیا وہی آپ کی سنت ہے، جس کی پیروی ہمارے لیے لازم ہے۔ اس سے اعراض اور روگردانی وہ سنگین جرم ہے جو حضور ﷺ سے ہمارے تعلق کو منقطع کرنے کا باعث بن سکتا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان عالی شان ہے:

"جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔"

حضور ﷺ کی سنت سے محبت کا مطلب صحیح معنوں میں مکمل خلوص اور حسنِ عقیدت کے ساتھ آپ ﷺ کے طریقے کی پیروی کرنا ہے پیروی اور اتباع کے بغیر محبت محض ایک کھوکھلا دعویٰ بن کر رہ جاتی ہے۔ جو شخص حقیقت میں پیروِ سنت ہے وہی حقدارِ جنت ہے۔

اس تفصیل کا اجمال پیش کرتے ہوئے حافظ محمد عمر اشرفی مندرجہ ذیل شعر فرماتے ہیں۔

طریقِ شاہِ دوعالم ہے جو برائے نجات
اسی سے توڑ کے رشتہ بھٹک گئی دنیا

معنوی اعتبار سے دیکھا جائے تو اکیلا یہ شعر اپنے اندر مفاہیم کا سمندر جذب کیے ہوئے ہے۔ اس ایک شعر میں اسلام، اسلامی فتوحات اور عروج وزوالِ اُمت کی مکمل داستان سمٹی ہوئی ہے۔

آپ کی ایک نعت "بہار" ردیف پر ہے۔ اس کے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔

دیکھ اے رضواں گلستانِ رسالت کی بہار
جس کی عظمت پر فدا ہے تیری جنت کی بہار

محوِ استعجاب تھے اصحاب سلطانِ زمن
دیکھ کر جابر کے گھر کھانے میں برکت کی بہار

آ رہی ہے اس کے اک اک فرد سے بوئے لطیف
جس کے گھر پہنچی شمیمِ جانِ رحمت کی بہار

سرورِ کونین کی سیرت میں ڈھل کر اے عمر

دیکھ لے تربت میں اپنی باغِ جنت کی بہار

"دامن" ردیف پر ایک نعت کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

خوشا قسمت ملا کونین کے مختار کا دامن
نہ چھوٹے یا الٰہی احمدِ مختار کا دامن
ھو اللہ احد کا جب کیا اعلان آقا نے
گری بجلی دلوں پر جل گیا کفار کا دامن
برائے عافیت ہوگا عمؔر میدانِ محشر میں
مرے سر پر شفاعت کے علمبردار کا دامن

یہ تو تھا آپ کی کہی گئی نعتوں کا اجمالی جائزہ اس کے علاوہ آپ نے شہیدِ کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں چند ایک مستقل منقبتیں لکھی ہیں، اس کے علاوہ بزمِ فروغ نعت مبارک پور کی ماہانہ نشست میں دیے گئے مصرع طرح پر ایک مکمل منقبت حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں بھی کہی ہے۔

خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی منقبت کے اشعار ضمنی طور پر تقریباً تمام نعتوں میں شامل ہیں۔ بخوفِ طوالت ہم انھیں نقل کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

مجموعۂ کلام:

آپ کا مجموعۂ کلام بعنوان "روزنِ گنبدِ خضرا" منتظرِ اشاعت ہے، کمپوزنگ مکمل ہو چکی ہے۔ ان شاء اللہ جلد ہی منظرِ عام پر آنے کی توقع ہے۔ اس میں آپ کی 200/ سے زائد نعتیں تقریباً 5/ حمد اور 10/ منقبتیں شامل ہیں۔

حج وزیارت:

1997ء میں آپ فریضۂ حج کی ادائگی کے لیے تشریف لے گئے اور زیارتوں سے شاد کام ہوئے۔ دوسری بار 2019ء کے اواخر میں بغرض عمرہ مکہ اور مدینہ کا سفر فرمایا اس سفر میں آپ کے ہمراہ آپ کے عزیز شاگرد، جانشین، ہمدرد وغم گسار حافظ محمد اعظم صاحب بھی تھے۔

اعزازات:

(۱)- ۲۰۰۲ء میں تنظیم فدایانِ حضور حافظ ملت رجسٹرڈ نے اپنے سالانہ نعتیہ مظاہرے میں آپ کو چاندی سے بنا ہوا "حافظِ ملت ایوارڈ" پیش کیا۔

(۲)- بزمِ محسن قدیم اسلام پورہ مبارک پور کی ایک قدیم ادبی انجمن ہے اسے ڈاکٹر محسن ادیؔبی مرحوم نے اپنے جناب ادیؔب مالیگانوی کے نام پر "بزمِ ادیب" کے عنوان سے قائم کیا تھا۔ ڈاکٹر محسن ادیؔبی کے انتقال کے بعد 1998ء میں ڈاکٹر محسن ادیؔبی سے منسوب کرتے ہوئے اس کا نام "بزمِ محسن" کر دیا گیا۔ اس کے بینر تلے ہر سال کسی نہ کسی شاعر وادیب کو ایوارڈ دیا جاتا ہے۔

الحاج حافظ محمد عمؔر مبارکپوری کو "ڈاکٹر محسن ادیبی ایوارڈ" 2020ء ہی میں دیا جانا تھا مگر لاک ڈاؤن کے چلتے نہ دیا جاسکا۔ وہی 2020ء کا ایوارڈ آپ کو 28 جون 2021ء کو ایک تقریب میں پیش کیا گیا، آپ کو سپاس نامہ اور شال دے کر آپ کو عزت افزائی کی گئی۔ آپ بیماری اور شدید نقاہت کے سبب اس پروگرام میں شرکت نہیں کر سکے۔ آپ کے نمائندے کی حیثیت سے یہ ایوارڈ آپ کے بھانجے اور قادر الکلام شاعر جناب بلال مبارکپوری نے حاصل کیا۔

اس موقع پر آپ کو جو سپاس نامہ پیش کیا گیا وہ درج ذیل ہے:

"نعت ادب شعری کی وہ صنف مکرم ہے جس کے تحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ کا بیانِ ذیشان ہوتا ہے۔ نعت، مدحت اور وصف کے مرادف ہے، لیکن نعت اور وصف میں ایک نازک سا فرق ہے۔ نعت کا اطلاق ان ہی اوصاف کے بیان پر ہوتا ہے جو قابلِ مدح ہوں اور وصف کا اطلاق حسن کے علاوہ قبح پر بھی ہوسکتا ہے۔ اس لیے اصطلاح میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا سے متعلق صنف سخن کو "نعت" سے موسوم کیا گیا ہے۔ قدیم ادب میں لفظ "نعت" کا استعمال حلیہ، سراپا اور حسن صورت کے لیے مخصوص تھا، خواہ وہ نثر میں ہو یا نظم میں اور لفظ "صفت" کا اطلاق عام اوصاف پر ہوا کرتا تھا۔ یہود و نصاریٰ آپ کی بعثت سے پہلے آپ کے اوصاف سے اچھی طرح واقف تھے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: "وہ نبی جن کے اوصاف یہ لوگ توریت و انجیل میں لکھے ہوئے پاتے ہیں۔" حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسی سراپا وحلیہ کے معنیٰ میں کلمہ نعت سے مشتق اسم فاعل "ناعت" کا لفظ اس روایت میں استعمال فرمایا ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف بیان کرنے والا یہ کہہ پڑتا ہے کہ میں نے آپ سے پہلے اور نہ آپ کے بعد آپ کے مثل کسی کو نہیں دیکھا۔"

اردو ادب میں لفظ "نعت" کا استعمال مطلق سید

المرسلین وخاتم النبیین ﷺ کی تعریف کے لیے مخصوص کر دیا گیا، خواہ اس تعریف کا تعلق آپ کے کمالاتِ ظاہری سے ہو یا باطنی سے، غیرِ نبی پر اس کا اطلاق نہیں کیا جاتا تاکہ مدحِ خیر البشر ﷺ اور دوسرے امراء و بادشاہوں کی تعریف میں فرق و امتیاز ہو جائے اور یہ اصطلاح در حقیقت فارسی ادب سے اخذ کی گئی ہے۔ زبان فارسی کے شاعر عرفی کے اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ اس راہ میں بڑے احتیاط کی ضرورت ہے۔ نعت میں ایسے کلمات کا استعمال جو معمولی تخفیف کا بھی وہم رکھتے ہوں، ایمان کی تباہی کا باعث ہو سکتے ہیں۔

سب سے پہلے حضور نبی کریم ﷺ کی نعت خود خالقِ کائنات نے بیان فرمائی۔ اس عالم کے وجود سے پہلے روز میثاق کے دن سارے انبیاء کو جمع کر کے آپ کی عظمت کا اظہار کرتے ہوئے آپ پر ایمان لانے کا عہد لیا۔ اور قرآن مجید میں جابجا بے شمار اوصاف کو بیان فرمایا۔ اس عظیم الشان سنتِ الٰہی پر عمل کا سلسلہ زمانہ رسالت میں ہی شروع ہو گیا، پھر جیسے جیسے اسلام مختلف دیار و امصار میں پہنچا ساتھ ہی رسولِ اکرم ﷺ کی مدحت کا ذوق بھی پروان چڑھتا رہا۔ عربی سے فارسی اور ترکی کے راستے ہوتے ہوئے یہ صنفِ سخن ہندوی اور مابعد ہندوی یعنی اردو تک پہنچی۔ سابقہ ادوار میں اردو زبان میں بے شمار نعتیں کہی گئیں اور تا حال کہی جا رہی ہیں۔ موجودہ دور میں نعت کے اہم شعرا میں الحاج حافظ محمد عمر مبارک پوری کافی اہمیت کے حامل ہیں۔

جنوری ۱۹۴۴ء میں محلہ نیا پورہ مبارک پور (ضلع اعظم گڑھ) میں جناب محمد یوسف اور محترمہ رحمت بی بی کے آنگن میں آپ کی قلقاریاں گونجیں تو ماں باپ کا دل فرطِ مسرت سے جھوم اٹھا۔ والدین کے دلیں عشقِ رسول اور محبتِ صحابہ کے دریا موجزن تھے، لہٰذا آپ کا نام "محمد عمر" تجویز کیا گیا۔ آپ اپنے والدین کی نہایت ہی سعادت مند اولاد تھے۔ درجات پرائمری تک تعلیم حاصل فرمانے کے بعد آپ کا ذوق حفظِ قرآن مجید کی طرف مائل ہوا۔ اس ذوقِ مبارک کی تکمیل کے لیے آپ نے حضرت حافظ مشتاق احمد بن حافظ محمد خلیل، محلہ نیا پورہ کی درس گاہ میں زانوے تلمذ تہ کیا اور جلد ہی حفظِ قرآن مجید کی دولتِ لازوال آپ کو میسر آئی۔ اس کے بعد مدتِ دراز تک آپ نے الجامعۃ الاشرفیہ میں درجاتِ حفظ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ریٹائر منٹ کے بعد بھی آپ یہ خدمات علاقائی سطح پر انجام دے رہے ہیں۔ آپ نے ۱۹۶۲ء میں باقاعدہ شاعری کا آغاز فرمایا، چوں کہ ذہنی طور پر اسلامی اصناف سے والہانہ محبت تھی لہٰذا نعتیہ شاعری آپ کے فکر و فن کا محور قرار پائی۔ اس سلسلۂ سخن میں آپ نے جناب الحاج عبد العزیز صاحب عزیز مبارک پوری اور جناب الحاج ماسٹر مظہر علی چشتی سے باضابطہ اصلاحیں لیں۔ آپ کا شعری مجموعہ زیرِ ترتیب ہے۔ ذیل میں ہم آپ کے چند پسندیدہ اشعار سپردِ قرطاس کرتے ہیں:

تخیل اوج پر پالیدگی فکرِ رسا میں ہے
مرا خامہ رسول اللہ کی مدح و ثنا میں ہے

یا رب میں قید میں ہوں غم و اضطراب کی
امید ہے ترے کرمِ بے حساب کی

مانگتا ہے صدقۂ نورِ نبی چرخِ کہن
چاند کا کاسہ لیے سورج کی تھالی ہاتھ میں

پرستارانِ باطل کی طبیعت ہوگئی جھن سے
ہو اللہ احد جب دین کے اعلان میں آیا

بیاں کیا ہو شہِ کون و مکاں کا وصف لاثانی
بخاری، ترمذی، مشکوٰۃ میں قرآن میں آیا

آپ نے ساری زندگی رحمۃ للعالمین محبوبِ رب العالمین کی مدح و ثنا میں گزار دی، ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا بہترین اجر آپ کو عطا فرمائے گا۔ ہم آپ کی جملہ شعری و ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں یہ سپاس نامہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ گر قبول افتد زہے عزّ و شرف۔"

اس پروگرام میں بلال مبارکپوری نے آپ کے کہے ہوئے چند نعتیہ اشعار بھی پیش کیے۔

آپ نے اپنی زندگی کا آخری شعر جو کہا وہ معنوی اعتبار سے بھی آخری ہے اسے ہم نذر قارئین کرتے ہیں:

فضا میں اڑ گئیں شادابیاں اپنے گلستاں کی
مدد کا وقت ہے تشریف لائیں یارسول اللہ!

تنظیمی سرگرمیاں:

حافظ محمد عمر اشرفی مبارک پوری کو نعت کی محفلوں میں عمومی طور پر بحیثیت صدر و سرپرست مدعو کیا جاتا تھا، محلہ نیاپورہ میں ہونے والی کسی بھی تقریب کے سرپرست آپ ہی ہوا کرتے تھے۔ نعت خوانی کرنے والی بے شمار انجمنوں کی سرپرستی بھی آپ فرماتے تھے، اس کے علاوہ راقم الحروف کی قائم کردہ ادبی تنظیم "بزمِ فروغِ نعت" کے آپ باضابطہ منتخب شدہ سرپرست تھے، مگر افسوس! اس انتخاب کے بعد بوجہِ علالت آپ کسی محفل میں شریک نہ ہو سکے۔

مرگِ وصال اور وصالِ پُرملال:

3 رمضان المبارک 1442ھ کو آپ نے حسبِ معمول تراویح کی نماز پڑھائی، اور 4 رمضان المبارک کو بخار میں مبتلا ہوئے اس کے بعد 3 ماہ مسلسل صاحبِ فراش رہے۔ اس دوران کبھی طبیعت میں سدھار ہوتا تو اہلِ خانہ اور متعلقین کے چہرے کھل اٹھتے اور جب نقاہت کا غلبہ ہوتا تو احباب کے دل پژمردگی کا شکار ہو جاتے۔ اسی کشمکشِ حیات میں تین ماہ کا عرصہ گزر گیا۔ اس درمیان راقم الحروف بھی متعدّد بار بغرض عیادت آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی دعاؤں سے سرفراز ہو کر لوٹا۔

3 ذی الحجہ 1442ھ/14 جولائی 2021ء بروز بدھ صبح سے ہی طبیعت میں کافی بہتری معلوم ہو رہی تھی مگر کسے معلوم تھا کہ یہ چراغ بجھنے سے پہلے بھڑک رہا ہے۔ اسی دن شام 6 بج کر 20 منٹ پر آپ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نمازِ جنازہ 15 جولائی 2021ء کو صبح 10 بجے آپ کے صاحب زادے حافظ محمد فضیل مصباحی نے پڑھائی اور اسلام پورہ واقع آپ کے آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

مسجد ابوبکر صدیق جس میں آپ نے ریٹائرمنٹ کے بعد 12 سال تک مسلسل حفظ قرآن کا درس دیا اب وہاں آپ کے جانشین، اور شاگرد حافظ محمد اعظم صاحب جائے استاذ پر متمکن ہیں اور درس حفظِ قرآن دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم، عمر اور اقبال میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆☆

(ص:30 کا بقیہ)

لہٰذا جس نے مذکورہ عبارت میں یہ مشکل کام آسانی کے ساتھ کر کے دکھایا اسے بجا طور پر الفاظ کا ماہر کاشتکار کہا جانا چاہیے۔

اخیر میں انفرادی خوبیوں کے علاوہ تینوں مثالوں کی ایک اجتماعی خوبی بھی دیکھ لیں۔ پہلی عبارت میں ادیبِ محترم غیب کے موضوع پر جوابی پوزیشن میں ہیں۔ دوسری عبارت میں ایک دقیق مسئلے پر وضاحت کرنے کی ڈیوٹی نبھا رہے ہیں۔ جب کہ آخری عبارت میں ایک عالمی شہرت یافتہ سائنس دان اور ایک مقبول ترین سائنسی نظریہ پر اعتراض کرنے کے موڈ میں ہیں۔ ویسے پوزیشن، ڈیوٹی اور موڈ کی جگہ مرحلہ، فریضہ اور ارادہ کے الفاظ ہوتے تو ہمارے یہ تین جملے ضرور اردو کے کہے جاتے۔ تینوں عبارتوں میں جہت مختلف ہونے کے باوجود شستہ و شائستہ زبان اور دلکش و دلفریب اسلوب اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ

چلتا ہوا قلم ہے کہ دھار رضا کا ہے

مختلف مثالوں پر مشتمل اس مختصر تجزیے نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ امام احمد رضا کی تحریروں نے اردو کو عام فہم زبان کا درجہ دلانے میں بڑا رول ادا کیا ہے۔ فقہی مسائل ہوں یا سائنسی مراحل، علمِ کلام کا تنگ کوچہ ہو یا مناظرہ کا وسیع میدان، غرض کہ ہر جگہ اس عظیم ادیب نے الفاظ و تعبیرات اور محاورات و تمثیلات کا بڑا ذخیرہ اردو کی نئی نسل کے لیے فراہم کیا۔

اردو ادب کے ارتقا میں آپ کی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کے تمام گوشوں کو اجاگر کرنے کے لیے "غالب اکیڈمی" کی طرح ایک "رضا اکیڈمی" درکار ہے۔ ہمارے ملک میں اردو پر کام کرنے والی کونسل کو اس طرف متوجہ ہونا چاہیے تاکہ آئندہ نسل کا قاری ایک عظیم ادیب کی کاوشوں سے روشناس ہو سکے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللہُ عَنْهُمَا، أَنَّهُ قَدِمَ رَجُلَانِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَخَطَبَا، فَعَجِبَ النَّاسُ لِبَيَانِهِمَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا۔ (بخاری، کتاب الطب، باب ان من البیان سحرا)

☆☆☆

بھارت میں تحفظِ ناموسِ رسالت کی تحریک

محمد ظفرالدین برکاتی

گزشتہ چند سالوں سے رضا اکیڈمی ممبئی نے ایک ایمان افروز خوش گوار بدعت شروع کی ہے کہ 20/ اپریل "یوم ولادت رسول" کو "عالمی یوم درود" کے نام سے منایا جائے اور خلوص کی بدولت، سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت نے شمسی (عیسوی) تاریخ کے مطابق 20/ اپریَل کو "یوم ولادت رسول" کے طور پر مان لیا ہے جس سے یہ امید جگی ہے کہ رضا اکیڈمی 12 ربیع الاول کی طرح 20 اپریل کو بھی یوم ولادت رسول کے طور پر رواج دینے میں کامیاب ہوجائے گی کیونکہ اِس اقدام و عمل کی پذیرائی اور مبارک بادی کے ساتھ درود خوانی میں سبقت لے جانے کی تحریک بھی زور پکڑنے لگی ہے۔ یہ سب حسن عقیدت اور خوش عقیدگی کا خوش گوار نتیجہ ہے۔ حالانکہ رضا اکیڈمی کے حوالے سے بہت سے سادہ لوح سنی، مثبت اور منفی تبصرے بھی کرتے ہیں کہ سر راہ کھڑے ہوکر اجتماعی طور پر اذان پکارنا، چوک چوراہوں پر اجتماعی دعائیں کرنا اور عرس اعلیٰ حضرت کے موقع پر ہیلی کاپٹر کے ذریعے مزارِ اعلیٰ حضرت پر پھول برسانا عجیب و غریب حرکت ہے اور مال کو ضائع کرنا ہے لیکن ہم یہ مانتے ہیں کہ مال کے ضیاع کا مسئلہ اپنی جگہ لیکن جس رقم کو جس عمل کے نام پر حاصل کیا گیا ہے اُسی کے لئے خرچ کرنا چاہیے، یہ مسئلہ بھی یاد رہے۔ البتہ یہ تبصرہ قابل سماعت ہے کہ اس کی بجائے وہ رقم ملت و جماعت کے تعمیری کام پر خرچ کرنا چاہیے لیکن سوال یہ ہے کہ ملت و جماعت کے پیسوں سے لاکھوں کے شامیانے میں کھڑے ہوکر ہزاروں روپے خرچ کر کے پہنچے زائرین اور علما دوست عقیدت مند مسلمانوں کے سامنے اپنے ہی مقتدر بزرگ اور کار آمد مخلص علمائے دین پر منفی تبصرے اور الزام تراشیاں کس حد تک درست ہیں؟ ملت و جماعت کی اصلاح و فلاح اور اعمال و افکار کی درستگی پر توجہ دینے کی بجائے منفی خطاب و گفتگو کر کے ملت و جماعت کا قیمتی وقت اور مال ضائع کرنے کی روایت بھی ہمیں عجیب و غریب لگنا چاہیے۔

دراصل ہمارے یہاں غنیمت اور عزیمت کا پہلو بڑا کمزور ہو گیا ہے اور کام کرنے والوں کی تعداد گھٹ کر زیرو پر آگئی ہے، اسی لئے بہت سے نیک اور اچھے کام بھی منفی تبصرے کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں اور خیر کا پہلو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، حالانکہ حسن عقیدت اور عشق رسالت سے متعلق کسی بھی اقدام و عمل پر منفی گفتگو کرنے اور تبصرہ بازی سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ بہت سے ایسے نیک اور مبارک کام ہیں جنھیں ہم نہیں کرتے اور جسے توفیق ملتی ہے، وہ کر گزرتا ہے جیسے "عالمی یوم درود" کی مبارک تحریک تو ہمیں ایسی توفیق پر رشک کرنا چاہیے۔

2021ء کے شروع میں ہی وسیم رضوی جیسے بد دماغوں کے ذریعے قرآن پاک، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، صحابہ کرام اور اسلامی روایات کی توہین اور گستاخی کا سلسلہ شروع ہوا ہے، تب سے رضا اکیڈمی ممبئی نے اپنے طور پر تحفظ ناموس رسالت، تحفظ قرآن اور تحفظ ناموس صحابہ و صحابیات کی قانونی اور جمہوری تحریک شروع کر رکھی ہے۔ دینی اسلامی طور پر عقلی و نقلی دلیلوں سے قرآن پاک، ناموس رسالت اور ناموس صحابہ کے دفاع میں زبانی قلمی اور تحقیقی اقدام و عمل کرتی رہی ہے، ساتھ ہی بھارت کی ریاستی اور مرکزی انتظامیہ کے اعلیٰ افسران سے ملاقات اور بڑے سیاست دانوں سے بات کر کے اپنے مطالبات رکھ رہی ہے۔ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں بھی مسلسل قانونی چارہ جوئی میں جٹی ہوئی ہے اور یہ سبھی نیک کام رضا اکیڈمی کے بانی و سربراہ الحاج محمد سعید نوری کی ذاتی دلچسپی اور خیر خواہوں کے اقدامی تعاون اور مالی حمایت سے ہوتے جا رہے ہیں جس میں سنی جمعیت العلماء مہاراشٹر کے صدرِ محترم حضرت سید محمد معین الدین اشرف اشرفی جیلانی عرف معین میاں کی بھرپور حمایت، قابل تعریف و تقلید ہے۔

مارچ میں وسیم رضوی جیسے بد دماغوں کی گستاخانہ حرکتوں اور حکومت و انتظامیہ کی خاموشی کو ہی دیکھتے ہوئے رضا اکیڈمی نے ناموس رسالت و صحابہ کو سنجیدگی سے لیتے ہوئے بھارت کے مسلمانوں کی ایک قومی تحریک بنانے کی کوشش کی اور مہاراشٹر کے علمائے کرام کی حمایت و اتفاق رائے سے "تحفظ ناموس رسالت بورڈ" بنایا جس کی سرپرستی حضرت معین میاں صاحب اور قیادت الحاج محمد سعید نوری صاحب کر

z.barkati@gmail.com

رہے ہیں اور پورے بھارت میں دورہ کرکے مشائخ اور علمائے کرام سے ملاقات وحمایت کا سلسلہ شروع ہے اور سب سے اچھی بات یہ ہے کہ ریاستی اسمبلیوں کے مسلم ارکان اور مسلم ارکان پارلیمنٹ سے ملاقات کر کے تحفظ ناموس رسالت قانون بنانے اور "پیغمبر حضرت محمد بل" کو پیش کرکے اُسے پاس کرانے کی وکالت کرنے پر زور دے رہے ہیں۔ اس کی ابتدا مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ، وزیر داخلہ، ممبئی کے پولیس کمشنر اور سیاسی جماعتوں کے قائدین سے ملاقات کر کے تحریری طور پر تحفظ ناموس رسالت قانون کی حمایت میں کھڑے ہونے کی درخواست کی ہے اور پورے بھارت میں تحریکی دورہ کی شروعات سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز کی بارگاہ میں حاضری سے کردی ہے۔ اب تک تھانے، رتنا گیری، چپلون، مہاڈ، راجہ پور، پونے، ناگ پور، ناسک، مالیگاؤں، اورنگ آباد (مہاراشٹر) احمد آباد، سورت، بھروچ، بڑودہ، کاٹھیہ واڑ (گجرات) حیدر آباد، گلبرگہ (آندھرا پردیش) کوٹہ، جے پور (راجستھان) دہلی، بریلی شریف، مارہرہ شریف، دیوہ شریف، کچھوچھہ شریف، لکھنؤ جیسے شہروں میں "تحفظ ناموس رسالت بورڈ" کی شاخیں قائم ہوچکی ہیں اور مقامی انتظامیہ اور سیاست دانوں سے ملاقات کی جارہی ہے۔ دہلی میں عام آدمی پارٹی کے رکن پارلیمنٹ سنجے سنگھ سے ملاقات کرکے تحریری درخواست پیش کردی ہے کہ وہ پارلیمنٹ میں تحفظ ناموس رسالت قانون کی آواز بلند کریں اور "پیغمبر حضرت محمد بل" کو پیش کرکے پاس کرانے کی وکالت کریں۔

رضا اکیڈمی اور سعید نوری صاحب کو جاننے والے یہ بھی جانتے ہیں کہ رضا اکیڈمی کے دینی سماجی اور مذہبی قانونی اقدام و عمل کا مرکز ممبئی ضرور ہے لیکن اُس کے دائرۂ کار میں ممبئی، دہلی، مارہرہ اور بریلی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ممبئی میں منصوبہ بندی ہوتی ہے، دہلی میں پیش قدمی ہوتی ہے، بریلی شریف سے حمایت اور مارہرہ شریف سے پذیرائی مل جاتی ہے جس سے انھیں قلبی سکون حاصل ہوجاتا ہے کہ پیر خانہ اور مرکز اہل سنت سے حمایت و پذیرائی مل گئی تو سب ٹھیک ہے، حوصلے بھی بلند ہوجاتے ہیں اور یہ سب نسبت اور تعلق کے پاکیزہ ہونے کی دلیل ہے کہ اپنے ہر کام کی حمایت وپذیرائی اپنے پیر خانہ اور مرکز اہل سنت سے حاصل کی جائے۔ آج کے دور میں عقیدہ اور عقیدت سے آزاد ہوکر کام کرنے والوں کے لئے اِس میں رہنما ہدایت اور سبق ہے۔

رضا اکیڈمی ممبئی مہاراشٹر کی تحریک ہے لیکن اپنی دینی ملی اور قومی سماجی خدمات کی بدولت آج پورے بھارت کے مسلمانوں کی مشترکہ تنظیم بنی ہوئی ہے اور اس کی خوش قسمتی اور سعید نوری صاحب کا واقعی خلوص کہیے کہ آج بھارت کے کسی بھی شہر میں اُنھیں سنیوں کا اجتماع کرنے کے لئے افرادی قوت کی کمی نہیں اور مقامی انتظامیہ سے ملاقات کے لئے خاص افراد و اشخاص کا نمائندہ وفد بنانے میں کوئی دقت نہیں۔ دہلی جیسے مصروف شہر میں بھی وہ جب چاہتے اور جیسے چاہتے ہیں اپنی سرگرمیاں جاری رکھتے اور ایک دو دِنوں میں بڑا سے بڑا کامیاب اجلاس بلانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں جیسے ابھی ایک ہفتے میں دہلی میں چار پانچ کامیاب مشاورتی اجلاس کرلیا جن میں جمنا پار کی تحفظ ناموس رسالت کانفرنس اور جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء ذاکر نگر کی تحفظ ناموس رسالت کانفرنس بڑی حوصلہ افزا ثابت ہوئی جہاں سے تحریک کا پیغام دور دور تک پہنچا۔

در اصل دہلی میں الحاج محمد سعید نوری صاحب کے چند بڑے خیر خواہ اور مخلص پیر بھائی ایسے ہیں جن کی بدولت وہ حوصلوں سے بھرے رہتے ہیں، ماہ نامہ کنزالایمان دہلی کے سابق بانی مدیر اعلیٰ علامہ یاسین اختر مصباحی صاحب (موجودہ مشیر اعلیٰ) رضوی کتاب گھر دہلی کے مالک حافظ محمد قمر الدین رضوی صاحب مرحوم (اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے) مفتی اعظم راجستھان کے صاحب زادے حاجی محمد معین الدین اشرفی سنبھلی، قائد اہل سنت کے صاحب زادے غلام ربانی صاحب (صدر جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء) حاجی محمد حسنین برکاتی (سکریٹری جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء) قاری ریاست حسین رضوی ناگلوئی، جناب محمد عظیم نقشبندی دریا گنج، مولانا زین اللہ نظامی غوثیہ فلاح ملت فاؤنڈیشن جسولہ اور مولانا اقلیم رضا مصباحی لمرا فاؤنڈیشن صاحبان وغیرہ کی بھرپور حمایت ہوتی ہے۔ دہلی میں انہی قدر شناس صاحبان کے تعاون سے "تحفظ ناموس رسالت بورڈ" کی قانونی اور آئینی تحریک ہندوستان گیر بنتے جارہی ہے اور ہمارا وِجدان کہتا ہے کہ دل میں نیک خواہشات و جذبات ہیں اور عمل میں خلوص ہے تو ان شاء اللہ اس پاکیزہ تحریک کی برکتوں سے کامیابی یقینی ہے۔ اسی یقین کی بدولت ہم نے یہ کہنے کا حوصلہ کیا ہے کہ مناسب حکمت عملی کے تحت مسلسل لگے رہے اور ضروری منصوبہ بندی کے ساتھ آگے بڑھتے رہے تو بھارت میں "تحفظ ناموس رسالت" کی یہ تحریک ضرور کامیاب ہوگی۔ ☆ مدیر اعلیٰ ماہ نامہ کنزالایمان دہلی ☆☆☆

فکرونظر

سوشل میڈیا کے مثبت نتائج

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

اکتوبر 2021 کا عنوان	اسمبلی انتخابات میں مسلمان کیا کریں؟
نومبر 2021 کا عنوان	سلسلہ قادریہ کے چند اکابر

معاشرے پر انٹرنیٹ کے مثبت اثرات

حسن اکبر (پاکستان)

عوام کی جانب سے اردو اخبارات میں جو مراسلے شائع ہوتے ہیں، ان میں اکثریت کی رائے میں نوجوان نسل کے خراب ہونے کی واحد وجہ انٹرنیٹ ہے۔ پاکستانی معاشرہ میں نوجوانوں کے بگاڑ میں انٹرنیٹ کا کتنا ہاتھ ہے، اس پر کئی طرح کی آراء موجود ہیں۔ کچھ اس کے حق میں اور کچھ مخالفت میں، یہ شاید کبھی نہ ختم ہونے والی بحث ہے۔

ہم اکثر کسی ایک فرد کے طرزِ عمل کو اس سے منسلک گروپ یا قبیلے کا طرزِ عمل قرار دے دیتے ہیں، جو کہ زیادتی ہے۔ 17 نومبر کو سپریم کورٹ میں ایک ضمانت کے کیس میں جناب جسٹس امیر ہانی مسلم کے ریمارکس کو ایک بڑے اردو اخبار نے اس عنوان کے تحت شائع کیا۔

جب کہ ایک غیر ملکی نیوز ویب سائٹ کے مطابق "عدالت کا کہنا تھا کہ فیس بک پر اس طرح کی حرکات نے ہمارے معاشرے اور بالخصوص نوجوان نسل کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔"

اب مجھے نہیں معلوم کہ اصل میں سپریم کورٹ نے کیا ریمارکس دیے تھے، لیکن اگر دیکھا جائے تو ان دونوں ریمارکس سے الگ الگ رائے قائم ہوتی ہے۔ جس شخص تک سپریم کورٹ کے یہ ریمارکس پہنچیں گے کہ "فیس بک نے نئی نسل اور معاشرے کو خراب کر دیا ہے- سپریم کورٹ" وہ قصوروار فیس بک، سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ کو سمجھے گا۔ اور دوسرے ریمارکس کا مطالعہ کرنے والا شخص انٹرنیٹ/سوشل میڈیا کے بجائے قصوروار اس ایک فرد کو قرار دے گا۔

میرے خیال میں انٹرنیٹ کے بارے میں یک طرفہ رپورٹنگ ہو رہی ہے اور دوسری طرف کا نقطہ نظر پیش نہیں ہو رہا۔ اس لیے آج میں نے کوشش کی ہے کہ اپنے اس مضمون انٹرنیٹ کے ان مثبت اثرات کا سرسری جائزہ پیش کروں جو ہماری، انفرادی اور اجتماعی زندگی پر مرتب ہو رہے ہیں۔

سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پر اثرات:

ہماری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اس وقت بہتر ہوتی ہے جب ہمیں بہتر معلومات میسر آئیں۔ انٹرنیٹ کی وجہ سے ہماری سوچنے سمجھنے اور فیصلہ سازی کی صلاحیتوں میں بہت بہتری آئی ہے۔ آپ ذرا تصور کریں کہ انٹرنیٹ سے پہلے آپ کسی حساس موضوع، مثلاً کسی مذہبی عقیدے یا سیاسی نظریے کا مطالعہ کرنا چاہتے تھے، تو کیا یہ ممکن تھا؟ انٹرنیٹ کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں رائج تصورات، اقدار، خیالات، اور روایات میں آہستہ آہستہ تبدیلی آ رہی ہے۔

تعلیمی میدان پر اثرات:

ہمارے معاشرے پر تعلیمی میدان میں انٹرنیٹ کے بہت سے مثبت اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ درس و تدریس سے منسلک افراد کی بہت سی مشکلات تھیں جو انٹرنیٹ کی وجہ سے حل ہو گئیں، جن میں الیکٹرونک لائبریری، آن لائن ای بکس، اور مختلف تعلیمی موضوعات پر آڈیو، ویڈیو لیکچرز تک گھر بیٹھے رسائی ممکن ہوئی۔ اس کے علاوہ

Adnanadil1966@gmail.com

نوجوانوں نے ذاتی کوششوں سے تعلیمی ویب سائٹس کا قیام عمل میں آیا جن پر طلبہ وطالبات کو مختلف تعلیمی نوٹس، سابقہ پرچے، تعلیمی اعلانات اور گفتگو کرنے کا مواقع مل رہا ہے۔

مذہبی مسائل کو سمجھنے میں مدد ملی ہے:

ہمیں اس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں ہونی چاہیے کہ ہمارے معاشرے میں فرقہ واریت موجود ہے (خیال رہے کہ یہاں فرقہ واریت سے میری مراد صرف مسلم فرقوں کے درمیان اختلافات نہیں، بلکہ ہر طرح کی مذہبی سوچ/نظریات کے حامل افراد کے درمیان اختلاف ہے)۔

اب انٹرنیٹ (خاص طور پر سوشل میڈیا) کی وجہ سے ہمیں دونوں طرف کا مؤقف سننے اور پڑھنے کا موقع مل رہا ہے، جس سے میرے خیال میں فرقہ وارانہ نفرت میں کمی ہو رہی ہے۔ لوگوں کو سمجھ آ رہی ہے کہ غلطیاں صرف دوسرے میں ہی موجود نہیں، بلکہ اپنی طرف بھی اصلاح کی ضرورت ہے۔

نئے طرز کے روزگار کے مواقع پیدا ہوئے:

پوری دنیا کی طرح ہمارے معاشرے میں بھی "ہوم آفس" کا رواج شروع ہوا جو اپنی طرز کا انتہائی منفرد کام ہے۔ تیسری دنیا کے بہت سے ممالک کی طرح بہت سے لڑکے لڑکیاں گھر بیٹھ کر آن لائن خدمات فراہم کر رہے ہیں۔ جس میں آن لائن جاب، ٹیوشن پڑھنا، گیمز کی تیاری، سوفٹ ویئر اور ویب سائٹس کی تیاری، درستگی اور پڑتال کا کام، مختلف زبانوں کے ترجمے، ٹائپنگ کا کام، آن لائن اشتہاری صنعت، سوفٹ ویئر کی ویڈیو ٹریننگ، شاپنگ ویب سائٹس کے ذریعے اپنا ذاتی کام شامل ہے اور وہ بھی بغیر لوکل آفس کے، جس سے نہ صرف ان پاکستانیوں کی آمدنی میں اضافہ ہوا، بلکہ ملک کو بھی فائدہ ہو رہا ہے۔

مقابلے میں اضافہ:

اس سے میڈیا کی کارکردگی میں بہتری آئی ہے۔ آج کا دور جس کو انفارمیشن ایج بھی کہا جاتا ہے، اس میں اخبارات، ریڈیو، ٹی وی کی طرح انٹرنیٹ بھی ایک میڈیا ہے جس کو اصطلاحاً "سائبر میڈیا" کہتے ہیں۔ پہلے ریاستی اور غیر ریاستی عناصر (معاشرے میں موجود مختلف طرح کے پریشر گروپس) بڑی آسانی سے اپنے خلاف خبر کو نشر ہونے سے روک لینے کی طاقت رکھتے تھے۔ لیکن "سائبر میڈیا" سے مقابلے کی وجہ سے میڈیا کی کارکردگی بہتر ہوئی ہے اور ان پر دباؤ کم ہوا۔ شاید آپ میری رائے سے اتفاق کریں گے کہ اگر "سائبر میڈیا" کا وجود نہ ہوتا تو بڑے بڑے واقعات میڈیا میں کبھی آتے ہی نہیں۔

انٹرنیٹ ہماری سوسائٹی میں زندگی کا لازمی جزو بن چکا ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کے ماہرین کے مطابق آئندہ چند برسوں میں اس کا استعمال مزید عام ہوگا اور روزمرہ کی زندگی میں انٹرنیٹ کا عمل دخل بہت زیادہ ہوگا اور یہ ہمارے روزمرہ زندگی کا لازمی جزو بن جائے گا۔

اس لیے اشد ضروری ہے کہ ہم دوبارہ انٹرنیٹ کے منفی اور مثبت پہلوؤں کا جائزہ لیں، تاکہ ہم انٹرنیٹ کے منفی اثرات سے اپنے گھر اور معاشرے کو محفوظ رکھ سکیں، اور انٹرنیٹ کے مثبت استعمال کو بڑھا کر اپنی زندگیوں میں آسانیاں پیدا کر سکیں کیونکہ کوئی چیز اچھی یا بری نہیں ہوتی، صرف نیت اچھی یا بری ہوتی ہے۔

سوشل میڈیا کے مثبت استعمال کی طرف آئیے

عبدالرحمٰن

دنیا سکڑ کر "گلوبل ویلیج" بن گئی ہے، یہ دنیا وژیول ورلڈ میں تبدیل ہوگئی ہے۔" یہ اور ان جیسے کئی جملے چند برس پہلے تک افسانوی معلوم ہوتے تھے، مگر آج حقیقت کا روپ دھار چکے ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی نے حقیقتاً ہماری دنیا کو گلوبل ویلیج میں تبدیل کر دیا ہے۔

نقل وحمل کا مسئلہ ہو یا مواصلات کا، چند لمحوں میں خبر دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے میں پہنچ جاتی ہے۔ سالوں کی مسافت گھنٹوں میں طے ہو جاتی ہے۔ پہلے جو کام کئی لوگ مل کر کرتے تھے، آج ایک مشین لمحوں میں انجام دے دیتی ہے۔

جدید ٹیکنالوجی نے جہاں بہت سے مسائل حل اور فاصلے کم کر دیے، وہاں بدقسمتی سے کئی اخلاقی، معاشرتی، خاندانی، فکری اور تربیتی خرابیاں بھی سامنے آئی ہیں۔ ٹیکنالوجی جوں جوں ترقی کرتی جا رہی ہے، ویسے ویسے اخلاقیات، محبت، شرافت، دیانت، ادب و احترام

ناپید ہوتا جارہا ہے۔ یہ اس دنیا کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ سوشل میڈیا پر ایک شخص کے ہزاروں دوست ہوتے ہیں لیکن حقیقی زندگی میں کوئی ایک شخص بھی اس کے جاننے والا نہیں ہوتا۔

شاید اسٹیو جابز کو اندازہ بھی نہ ہوگا کہ اس کی ایجاد کردہ اینڈرائڈ ٹیکنالوجی دنیا میں انقلاب برپا کرنے کی بنیاد بنے گی اور شاید مارک زکر برگ نے بھی کبھی نہ سوچا ہوگا کہ اس کی ایجاد کردہ فیس بک کس طرح لوگوں کی زندگی کا لازمی حصّہ بن جائے گی۔ کیسے ایک ''سنگل ٹچ'' سے میلوں دُور بیٹھا دوست قریب اور برابر میں بیٹھا بھائی دُور ہوجائے گا۔

اینڈرائیڈ فون اور سوشل میڈیا کے استعمال کا یہ عالم ہے کہ چاہے ہمارے مُلک میں شرح خواندگی پچاس فیصد سے زیادہ نہ ہو، مگر کم و بیش ہر دوسرے شہری کے ہاتھ میں اینڈرائیڈ فون ہے اور وہ سوشل میڈیا پر سرگرم نظر آتا ہے۔ جہاں وہ پوری آزادی کے ساتھ سیاست سے لے کر کھیلوں تک ہر موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن ہر ٹیکنالوجی کے جہاں کچھ فوائد ہوتے ہیں، وہیں اس کے نقصانات سے بھی معاشرہ محفوظ نہیں رہ پاتا۔ جبکہ ہمارے مُلک میں تو کسی بھی نئی ٹیکنالوجی کا بنا سوچے سمجھے اس حد تک استعمال کیا جاتا ہے کہ اُس کا مقصد ایجاد ہی فوت ہوجاتا ہے۔

فیس بک ہی کی مثال لے لیجیے، اگر اس کا مثبت استعمال کیا جائے، تو یہ آگہی سمیت مختلف معاشرتی برائیوں کے خلاف آواز اُٹھانے اور انقلاب لانے کا بھی باعث بن سکتا ہے، لیکن ہماری نسل نو کی اکثریت نے اسے محض ''ڈیٹنگ سائٹ'' بنا کر رکھ دیا ہے۔ کلاس رومز میں ہوں یا گھر پر فضول سٹیٹس، تصاویر اپ لوڈ کرکے یا بے جا کمنٹنگ میں گھنٹوں برباد کر دیتے ہیں۔ اگرچہ کچھ نوجوان واقعتاً اس کا تعمیری استعمال بھی کرتے ہیں، لیکن ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔

سوشل میڈیا کے منفی اثرات گھر والوں سے دُوری، رنجش، حسد، جلن اور احساس محرومی کی صورت میں نمایاں ہو رہے ہیں۔ گھروں کی چار دیواری کی حرمت بھی پامال ہوتی نظر آرہی ہے، زیادہ پرانی بات نہیں کہ خط وکتابت موبائل فونز، ای میلز، فیس بک کے بجائے بذریعہ ڈاک کی جاتی تھی۔ خط لکھنے کے لیے بھی بہت اہتمام کیا جاتا، جیسے کچھ لوگ خُوشبو والے قلم سے لکھتے، تو کوئی خُوبصورت کاغذ کا چناؤ کرتا، الفاظ و بیان، لب و لہجہ، املا وغیرہ کا خاص خیال رکھا جاتا تھا اور دو تین دن بعد جب خط متعلقہ فرد تک پہنچتا، تو وہ بھی اسے ہر کام سے فارغ ہوکر سکون سے پڑھتا۔ اس طرح رشتوں میں محبّت، ادب و احترام بھی قائم رہتا اور ذاتی باتوں، مسائل کی تشہیر بھی نہیں ہوتی تھی۔

ٹیکنالوجی، نئی ایجادات کا مقصد زندگیوں کو آسان بنانا ہوتا ہے، مگر ہمارے غیر سنجیدہ رویوں نے اس رحمت کو زحمت بنا ڈالا ہے۔ دیگر ترقّی پذیر ممالک کے باسی بالخصوص نوجوان جدید ٹیکنالوجی اور سوشل میڈیا کے ذریعے شعور و آگہی پھیلانے میں مصروف عمل ہیں، جبکہ ہمارے عوام کو کھانوں، ہوٹلوں وغیرہ کی تصاویر اپ لوڈ کرنے اور ٹک ٹوک ہی سے فرصت نہیں۔ یہاں ترقی کرنے کا خواب تو ہر کوئی دیکھتا ہے، لیکن محنت کرنے کے لیے کوئی تیّار نہیں۔ اور یہی سے خرابیوں کی ابتدا شروع ہوتی ہے۔

آپ محنت سے جی نہ چرائیں بلکہ اس کے مثبت استعمال کی طرف توجہ دیں یہ سوشل میڈیا بڑے کام کی چیز ہے بس اپنے ذہن کو لڑائیں کہ آپ اس کا مثبت استعمال کس طرح کر سکتے ہیں۔

آپ کو سوشل میڈیا کے مثبت استعمال کی ایک مثال دیتا ہوں میرے گھر کا اے سی رات کے وقت کام کرنا بند ہو گیا۔ اب رات کا ٹائم تھا اس وقت کس مکینک کو ڈھونڈیں خود مکینک بننے کی کوشش کی کچھ بھی سمجھ نہیں آیا۔ خیال آیا یوٹیوب پر اس مسئلے کا حل ڈھونڈتے ہیں۔ میں نے اے سی کو جو مسئلہ تھا وہ میں نے یوٹیوب پر لکھا آپ یقین کیجیے غیر ملکی کئی ویڈیو اس مسئلے سے متعلق میرے سامنے آگئیں۔ میں نے وہاں سے اس کو سنا اور پڑھا اس کے بعد جو ہدایات دی گئیں تھیں اس کے مطابق میں نے اے سی کے ساتھ کیا اور میرا اے سی ٹھیک ہو گیا اور رات میں نے اپنے بچوں کے ساتھ سکون کے ساتھ بسر کی۔

اسی طرح کا ایک واقعہ مجھے میرے ایک دوست نے بتایا کہ اس کی طبیعت خراب ہو رہی تھی اس کو دل کا عارضہ تھا سمجھ میں کچھ آنہیں رہا تھا۔ اس کو ایک ویب سائٹ کا پتہ تھا جس میں ہیلتھ کے آرٹیکل تھے اس نے وہاں پر جا کر اس آرٹیکل کو پڑھا کہ اچانک میری طبیعت خراب ہونے کی وجہ ہے جب علامات کا جائزہ لیا گیا تو وہ صرف گیس کا مسئلہ تھا۔ متعلقہ آرٹیکل میں اس سے نجات کیلئے جو ہدایات دی تھیں ان پر عمل کیا تو طبیعت میں بہتری آگئی۔

اس لیے اس ٹیکنالوجی کے مثبت استعمال کی طرف توجہ دیجئے کہ کس طرح آپ دوسروں کے لیے مفید بن سکتے ہیں اور دوسرے آپ کے لیے بہتری کر سکتے ہیں۔☆☆☆

سوشل میڈیا ایک جنجال پورہ سے کم نہیں

ڈاکٹر اسماعیل بدایونی

سوشل میڈیا ایک ایسا نشہ ہے جہاں مدہوش انسان کی انگلیاں کی پیڈ پر تھرکتی تھرکتی اسے نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہیں۔۔

خود ساختہ دانشوری کا زعم اور تماشائیوں کا ہجوم چین نہیں لینے دیتا جب کوئی مسئلہ دنیا میں پیش آتا ہے ہر شخص اپنے فکر و خیال کی زنبیل سے کچھ دانشوری کی جڑی بوٹیاں نکال کر لے آتا ہے۔ واہ واہ کے شور میں لائیک، شئیر بھی شامل ہو جائیں تو رنگ بھی چوکھا آتا ہے۔

کم و بیش گذشتہ دو برسوں سے راقم نے سوشل میڈیا پر حالات حاضرہ پر لکھنا تقریباً ترک کیا ہوا ہے اور وجہ بھی یہی کہ دنیا میں کہیں بھی کچھ ہوتا تو ہمارے قارائین ہماری جانب ایسے دیکھتے کہ جیسے اس مرض کا علاج ہمارے پاس ہی ہے۔ کہیں سے آواز آتی بدایونی صاحب آپ کا مضمون ابھی تک نہیں آیا۔ ہمیں آپ کے مضمون کا انتظار ہے۔ ارے بھئی کب لکھیں گے اس نئے اشو پر؟۔ بھئی ارطغرل کا بڑا شور ہے آپ کی رائے کیا ہے؟

جیسے ہماری رائے کے بعد ارطغرل پی ٹی وی پر چلانا ہے یا نہیں؟ یہ طے ہو گا۔ بدایونی صاحب فلاں فلاں سانحہ پر آپ نے نہیں لکھا جلد لکھیے۔ یوں معلوم ہوتا کہ چیف جسٹس صاحب ہمیں حکم دے رہے ہیں کہ بھئی عدالتِ عظمیٰ کا کام آپ کی وجہ سے رکا ہوا ہے جلد از جلد لکھیے ورنہ انصاف نہیں ہو سکے گا۔

بالفرض کبھی کسی موضوع پر کچھ لکھ دیا اور قارائین کو پسند نہیں آیا تو صاف صاف کہہ دیا گیا اسلام کو، مسلک کو، ملک کو آپ جیسے رائیٹر کی ضرورت ہی نہیں ہے، سوشل میڈیا سے دفع ہو جاؤ کا حکم سُنا دیا گیا۔

کسی خبر کے بعد معلوم ہوا کہ وہ خبر ہی درست نہیں اور تصویر کا دوسرا رخ کچھ اور ہے۔ بعد میں اس پوسٹ کو ڈیلیٹ کرنا پڑا۔

عزیزانِ محترم! سوشل میڈیا ایک جنجال پورہ سے کم نہیں ہے یہاں بھانت بھانت کے لوگ ہیں، اپنے بھی پرائے بھی ہیں۔ اچھے بھی ہیں برے بھی ہیں دوست بھی ہیں دشمن بھی ہیں۔ ملحد بھی ہیں مومن بھی ہیں۔ یہاں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ لیکن افسوس! جس قدر ہمیں محتاط ہونا چاہیے ہم اس سے کہیں زیادہ غیر محتاط ہیں۔

کسی کی بیٹی کے بارے میں عامیانہ اور گھٹیا گفتگو کسی بھی شخص کو زیب نہیں دیتی بیٹیاں تو سب ہی کی سانجھی ہوتی ہیں اور ہائے افسوس! وہ زبان محراب و منبر سے استعمال ہوئی۔ حبِ اہلِ بیت کا سہارا لے کر اپنے خبثِ باطن کا مظاہرہ کیا گیا۔ ہائے افسوس! یہ سب محراب و منبر سے ہوا۔ ہم ساری دنیا کو کیا پیغام دے رہے ہیں؟ محراب و منبر کوئی معمولی بات ہے۔ پاؤں نہیں کانپتے، جسم پر لرزاں طاری نہیں ہوتا کیا کہ رہے ہو اس پر بیٹھ کر۔ کسی کی عزتوں کو اس پر بیٹھ کر پامال کر رہے ہو؟ عاشقان رسول ﷺ کی؟

کسے خبر تھی کہ لے کر چراغ مصطفوی
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

عاشقانِ رسول ﷺ کے دل تڑپ گئے میں نے وہ سوقیانہ تقریر سنی یقین جانیں دل بے چین و بے قرار ہو گیا۔ میری تو اویس رضا قادری صاحب سے کوئی شناسائی بھی نہیں کہ سوائے ایک محفل میں اپنی کتابوں کا تحفہ پیش کیا تھا۔

لیکن سوچتا رہا کیا بیتی ہو گی اس قلبِ مومن پر اور اس کی مومنہ بیٹی اور ان کے اہل خانہ کے دل پر جب منبر سے اس طرح کی عامیانہ اور سوقیانہ آواز بلند ہوئی ہوں گی۔ کچھ شر پسندوں اور فتنہ پردازوں نے تو خطیب پنڈ کو داد دی ہو گی لیکن مسلمانوں کے دل چھلنی ہو گئے۔ دین بیزار، ملحدین اور لبرلز کے بھنگڑے بھی مجھے دکھائی دے رہے ہیں۔

آج فجر کی نماز کے بعد جب سوشل میڈیا دیکھا اور اویس رضا قادری صاحب کا وضاحتی کلپ سُنا تو بہت خوشی ہوئی اور ساتھ ساتھ یہ تحریر اس لیے لکھی کہ میرے دوستو! سمجھ لو! سوشل میڈیا بہت ظالم ہے سب سے پہلے تو تصدیق کر لیجیے وہ خبر درست ہے یا نہیں؟

اگر شعلہ بیان مقرر نے تصدیق کر لی ہوتی تو یقیناً سوشل میڈیا پر ہنگامہ نہ ہوتا۔ کسی کی دل آزاری نہیں ہوتی۔

جذبات اور احساسات کا خیال کیجیے اپنے حسد کی آگ بجھانے کے لیے حبِ اہلِ بیت یا حبِ صحابہ کی آڑ نہ لیجیے۔

اللہ تعالیٰ ہر مومن کی عزت کو محفوظ رکھے۔☆☆☆

تعارف وتجزیہ

مسک الختام فی اقضیۃ الاسلام

تعارفی جائزہ

مبارک حسین مصباحی

اس وقت ہمارے روبرو 224 صفحات کی اہم کتاب "مسک الختام فی اقضیۃ الاسلام" ہے۔ اسلامی دار القضا کے موضوع پر یہ قابلِ ذکر اور لائقِ مطالعہ فقہی دستاویز ہے۔ اس وقیع کتاب کے مصنف اور جامع ہیں نبیرۂ محسنِ ملت حضرت مولانا قاضی محمد علی فاروقی دامت برکاتہم العالیہ۔ آپ علمی اور روحانی گھرانے کے فرد فرید ہیں۔ گھر کا ماحول پیار و محبت اور اخلاق و مروت سے لبریز ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت فخر الاولیا مولانا فاروق احمد فاروقی کی بارگاہ میں حاصل کی۔ اسی کے ساتھ آپ نے ہائی اسکول کیا۔ والدِ گرامی کے وصال کے بعد آپ رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری کی نگرانی میں فیض العلوم جمشید پور ٹاٹا نگر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد خاکِ ہند کی معروف درس گاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لے گئے۔ جلالۃ العلم حضور حافظِ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی بانی جامعہ اشرفیہ کے آخری قابلِ ذکر تلمیذ رشید ہیں۔

آپ ماشاء اللہ زبردست عالم ربانی، رائے پور چھتیس گڑھ کے قاضی ہیں۔ مدرسہ اصلاح المسلمین و دار الیتامیٰ رائے پور کے مہتمم اور سب سے بڑے ذمہ دار ہیں۔ آپ مقبول خطیب اور بلند فکر قلم کار ہیں۔ اردو اور ہندی صحافت میں آپ کی خدمات قابلِ تحسین ہیں۔ آپ بلند اخلاق مرشدِ طریقت ہیں، دور دور تک آپ کے مریدین پھیلے ہوئے ہیں۔ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کے قابلِ ذکر فاضل ہیں۔ آپ نے متعدد عنوانات پر گراں قدر کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔ کتابیں ہند و پاک میں مقبول ہوئی ہیں، بعض کتابوں کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

آپ کے دادا جان محسن ملت حضرت مولانا شاہ محمد حامد علی فاروقی علیہ الرحمۃ تھے۔ محسنِ ملت فاضلِ جلیل اور مجاہد آزادی ہیں، انھوں نے ہندوستانی تاریکیوں میں اسلام و سنیت کی شمعیں روشن فرمائیں۔ آپ کی ولادت اتر پردیش کے مشہور شہر اللہ آباد کے قریب قاضی پور چندہا میں 1889ء میں ہوئی۔ ان کا سلسلۂ نسب سترھویں پشت میں سلطان العارفین حضرت بابا فرید الدین گنج شکر تک پہنچتا ہے جو خلیفۂ دوئم امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان سے ہیں۔ آپ نے حفظ کی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل فرمائی، اعلیٰ تعلیم کے لیے آپ فرنگی محل لکھنؤ تشریف لے گئے۔ اس کے بعد مجدد و مفکر امام احمد رضا محدث بریلوی کی درس گاہ میں بریلی شریف گئے۔ وہاں آپ نے 1919 میں سندِ فراغت حاصل فرمائی۔ روحانی طور پر بارگاہ امام احمد رضا میں بھی آپ نے خوب فیض حاصل کیا، اعلیٰ حضرت نے آپ کو سلسلۂ قادریہ برکاتیہ کی خلافت و اجازت بھی عطا فرمائی۔ 1920ء میں آپ رائے پور چھتیس گڑھ تشریف لے گئے۔

اس دوران انگریزوں کے ظالمانہ رویے انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ آپ نے خود بھی تحریک آزادی میں جم کر حصہ لیا۔ آپ کو دفعہ 144 اے کے تحت جیل بھیج دیا گیا جہاں آپ 12 دسمبر 1923ء تک رہے۔ آپ نے جیل کے اندر بھی اپنی جد و جہد جاری رکھی۔ باہر نکلنے کے بعد آپ نے پورے علاقہ کا دورہ فرمایا، جگہ جگہ غریب مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی ناپاک کوشش کی جا رہی تھی۔ آپ نے غور و فکر کے بعد یہ طے فرمایا کہ بنیادی چیز غربت اور جہالت ہے۔ جب یہ قوم تعلیم یافتہ ہو جائے گی تو نہ اپنا مذہب ترک کرے گی اور نہ عیسائیت قبول کرے گی۔ آپ نے رائے پور کی زمین پر مدرسہ اصلاح المسلمین و دار الیتامیٰ کا 1924ء میں سنگ بنیاد رکھا۔ ان نازک حالات میں تعلیم و تربیت اور دعوت و تبلیغ کا کارنامہ انجام دینا انتہائی مشکل تھا، مگر آپ کی رگوں میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خون دوڑ رہا تھا، عزم و ہمت اور عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طاقت آپ کو اپنے بزرگوں سے ورثے میں ملی تھی۔ آپ کو بزرگانِ فرنگی محل لکھنؤ اور امام احمد رضا محدث بریلوی کا علمی اور روحانی فیضان مل رہا تھا۔ ان دنوں ملک بھر میں انگریزی حکومت باشندگانِ ہند پر قیامت برپا کیے ہوئے تھی۔ کہیں

پھانسیاں دی جارہی تھیں، کہیں جیلوں میں ٹھونسا جارہا تھا، کتنی ہی مسلم شخصیات دوسرے ملکوں میں ہجرت کررہی تھیں۔ مگر سلام ہو محسنِ ملت کی عزیمت واستقامت کو آپ نے اپنی ایک جائداد فروخت کرکے مدرسہ کی تعمیر اور اصلاح مسلمین کا بیڑا اٹھایا۔ آپ کی کرامات بھی بہت مشہور ہوئیں جن سے مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی آپ کے شیدائی ہوگئے تھے۔ آپ کا وصال پر ملال 25 اپریل 1868ء میں ہوا۔ آپ کا مزار اقدس رائے پور کے معروف بزرگ حضرت فاتح شاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درگاہ میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کی حیات وفکر مدھیہ پردیش کے لیے خاص توجہ کا مرکز ہے، یوں تو پورا ملک آپ کے علمی اور فکری کارناموں سے آشنا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

”جب تک میری قوم کا ہر بچہ علم کی روشنی سے منور نہیں ہوجاتا جب تک میری جدوجہد اور کوشش جاری رہے گی۔ دنیا میں اپنی قوم کے بچوں کا مقدر ستاروں سے بھی بلند دیکھنا چاہتا ہوں۔ گھنے جنگل کے اس کونے تک اور پہاڑوں کی ان گفاؤں تک جو آج بھی روشنی کے لیے ترس رہی ہیں، میری تمنا ہے کہ میں وہاں بھی علم کی شمع روشن کروں۔“

حضرت محسنِ ملت کے دو صاحب زادے تھے [1] فخر الاولیا حضرت مولانا فاروق علی فاروقی علیہ الرحمہ آپ علم وفضل کے حامل تھے۔ آپ نے دین وسنیت کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ آپ نے حضرت محسن ملت کے مشن کو آگے بڑھایا۔ آپ کے ہاتھوں تقریباً 32 مساجد، 7 مدرسے اور 3 اسکولوں کی بنیاد پڑی۔ جولائی 1969ء میں آپ کا وصال ہوگیا۔

محسنِ ملت کے دوسرے صاحب زادے جناب محمود علی فاروقی جج ہوئے، اللہ تعالیٰ ان پر فضل فرمائے۔

حضرت فخر الاولیا علیہ الرحمہ کے 5 فرزند اور 4 صاحب زادیاں ہیں۔

بڑے فرزند ارجمند آپ کے جانشین اور رائے پور چھتیس گڑھ کے قاضی ہیں۔ آپ مولانا حامد علی ایجوکیشن سوسائٹی کے چیئرمین ہیں۔ آپ متعدد برسوں تک روی شنکر یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر بھی رہ چکے ہیں۔ علمی خدمات پر آپ کو صدر جمہوریہ عالی جناب اے پی جے عبد الکلام کے ہاتھوں ایک لاکھ کا چیک اور مومنٹو سے بھی سرفراز کیا گیا۔

حضرت مولانا قاضی محمد علی فاروقی اچھے مدرس، کامیاب خطیب، محقق مفتی اور دور اندیش قاضی ہیں۔ صحافت میں بھی اپنی ایک حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کی متعدد علمی، فکری اور تحقیقی کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ اسلوب بیان میں سلاست وروانی ہے۔ جملوں کے انتخاب میں ذوق لطیف رکھتے ہیں، اپنا مدعا بڑے سلیقے سے بیان فرمادیتے ہیں۔ آپ کے درجنوں مضامین مختلف عناوین پر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کی زینت بن چکے ہیں۔ اپنے استاذ گرامی جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی قدس سرہٗ کے عرس میں ضرور شرکت فرماتے ہیں۔ احقر مبارک حسین مصباحی عفی عنہ کو بھی اپنی محبتوں سے سرفراز فرماتے ہیں۔ غریب خانے پر بھی متعدد بار تشریف لاچکے ہیں۔ خادم کو بھی رائے پور اپنے ادارے میں مدعو فرماچکے ہیں۔

اس وقت ہمارے سامنے آپ کی اہم کتاب ”مسلک الختاب فی اقضیۃ الاسلام“ ہے، اس کتاب کا مرکزی موضوع اسلامی قضا ہے۔ مرکزی عنوان پر حضرت مصنف نے مختلف جہتوں سے مباحث سپرد قلم فرمائے ہیں۔ کتاب کا کاغذ اچھا ہے، طباعت معیاری اور جلد کسی حد تک اچھی اور دلکش ہے۔ حضرت مصنف نے کتاب کے دو جز کیے ہیں۔ پہلے جز کے صفحات 119 ہیں، جب کہ دوسرا جز صفحہ 120 سے 220 تک پھیلا ہوا ہے۔ دونوں جز کے آغاز میں یکساں آیتِ کریمہ درج ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۟

ترجمہ: اے ایمان والو، حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اُسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو اگر اللہ وقیامت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا

دیباچہ ماشاء اللہ کافی وقیع اور علمی ہے۔ اس میں آپ نے تاریخ اسلام اور ہند کے مختلف ادوار میں قضاۃ اسلام کا ذکر خیر فرمایا ہے۔ خاص طور پر انگریزی حکومت اور موجودہ حکومت پر مدلل گفتگو فرمائی، دار القضا کے نظام کے خلاف کہاں کہاں اور کب کب سازشیں کی گئیں، ان تمام احوال پر بڑے چبھتے ہوئے سوالات قائم کیے ہیں۔ انداز نگارش میں رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی تحریر کا بانکپن بھی نظر آتا ہے۔ بلا شبہہ آپ ان کے شاگرد رشید ہیں، ان کے نداز فکر اور طرز نگارش کا اثر ہونا فطری ہے اور بفضلہ تعالیٰ خوب ہوا بھی ہے۔

آپ اپنے دیباچہ کے آغاز میں رقم فرماتے ہیں:

"مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لیے ہر دور میں قاضی اسلام منتخب کیے جاتے تھے۔ اس سلسلے میں خود رسول پاک ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا۔

اسی لیے ہر دور میں ہر حکومت نے مسلم مسائل کے حل کے لیے قاضی کا انتخاب کیا۔ خود حضرت محسن ملت کے اجداد میں قاضی پور چند ہا ضلع الہ بادمیں خواجہ شہاب الدین فاروقی دور جہانگیری (1605ء تا 1668ء) میں منصب قضا پر فائز ہو کر شہنشاہ جہانگیر کی طرف سے وہاں بھیجے گئے تھے۔

جہانگیر بادشاہ کو انصاف کا بڑا خیال تھا۔ اس لیے انھوں نے ہر علاقے میں قاضی منتخب کیے۔ یہ سلسلہ مغلیہ حکومت کے خاتمہ تک کسی نہ کسی صورت میں چلتا رہا۔ یہاں تک کہ انگریزوں نے اس میں مداخلت کا سلسلہ جاری کیا اور دھیرے دھیرے قاضی کی جگہ انگریز ججوں کو کرسی پر بٹھانا شروع کیا۔ جنھوں نے تدریجاً اسلامی قوانین کی منسوخی کا منصوبہ تیار کیا۔"

حضرت مصنف مزید تحریر فرماتے ہیں:

"انگریزوں نے نہایت شاطرانہ دماغ سے کام لیتے ہوئے پہلے 1771ء میں مقدمات دیوانی کو شریعت سے الگ کر دیا۔ 1772ء میں قانون شہادت پر حملہ کیا اور اسے شریعت سے جدا کر دیا۔ 1857ء میں مفتی کو ہٹا کر انگریز ججوں کی تقرری کی گئی۔ 1862ء میں اسلامی تعزیرات کو منسوخ کر کے تعزیرات ہند نافذ کیا گیا۔ 1864ء میں قاضیوں کا منصب ختم کر دیا گیا۔ 1872ء میں اسلامی قانون شہادت کو بھی ہٹا دیا گیا۔"

ماشاء اللہ آپ نے بڑی خوب صورتی سے دار القضا کے شرعی نظام کے معطل کرنے اور انگریزی حکومت کی سازشوں کو قارئین کے سامنے رکھا ہے۔ مگر غیر منقسم ہندوستان میں یہ تمام چیزیں بہ آسانی نافذ ہونے والی نہیں تھیں۔ مسلمانوں نے دینی حمیت کا ثبوت دیتے ہوئے جگہ جگہ احتجاجات کیے، مختلف زاویوں سے اپنی قلبی ناراضگی کا اظہار کیا۔ مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے، مگر آنکھوں کے سامنے اپنے دین اور اسلامی شریعت پر حملہ برداشت نہیں کر سکتا۔ شاطر انگریزوں کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ خاکِ ہند میں اگر حکومت کرنا ہے تو ہمیں اسلام دشمنی کے رویوں میں تبدیلی لانا ہوگی اور پھر چند بنیادی صورتوں میں انھوں نے نرمی کی راہ اختیار کی حضرت مصنف نے بڑے اختصار کے ساتھ ان صورتوں کو بقید سنہ سپرد قلم کیا ہے، آپ بھی ملاحظہ فرمالیجیے:

"مگران لگاتار تبدیلیوں نے جو بے چینی پیدا کی اس سے انگریز گھبرا اٹھے ، انھیں محسوس کرتے دیر نہیں لگی کہ مسلمانوں سے نفرت وعداوت کی بنیاد پر ہم حکومت نہیں کر سکتے اسی لیے انہیں خوش کرنے کے لیے 1937ء میں شریعت ایکٹ منظور کیا گیا۔ اسی طرح شریعت اپلی کیشن ایکٹ وجود میں آیا۔ جس کا خلاصہ اس طرح ہے کہ نکاح وطلاق، فسخ وخلع وتفریق، ایلاوظہار ولعان، وراثت، مبارت، نفقہ ومہر ثبوت نسب، امانت، حق جائداد، حق شفعہ، ہبہ اور اوقاف وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں کے فیصلے مسلم پرسنل لا کے تحت ہوں گے۔ جب کہ وصیت اور تبنیت کے معاملہ میں مسلم پرسنل لا کا اطلاق اختیاری ہوگا۔"

حضرت مصنف اس پر حرف تنقید قائم کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"انگریزوں کے دور میں ہی ایکٹ بن تو گیا مگر اس ایکٹ کی منظوری کے باوجود اسلامی قانون کے عائلی نظام کے تعلق سے اس میں دو اہم باتوں کی کمی واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے۔

پہلا یہ کہ مسلمانوں کے عائلی اور معاشرتی نظام میں تنازعات اور اختلافات کا فیصلہ کون کرے گا۔ یقیناً یہ کام قاضی اسلام کا ہے۔ ایک غیر مسلم جج مسلم عورت کا نکاح نہ تو فسخ کر سکتا ہے اور نہ ہی اسے حاکم بنایا جاسکتا ہے۔ اس لیے یہ ایکٹ ایک قاضی کی مانگ کرتا ہے۔ جس کا یہاں کوئی ذکر نہیں۔

دوسرا یہ کہ ہندوستان میں غالب اکثریت حنفیوں کی ہے۔ یہاں کا کورٹ عملاً اس کا پابند تھا کہ شریعت ایکٹ کے دائرہ میں رہ کر فقہ حنفی کے مطابق سارے فیصلہ کرے۔ چونکہ فقہ حنفی کے مطابق فسخ نکاح میں قاضی کے اختیارات محدود ہیں۔ بلکہ اس میں فسخ کی کوئی سبیل ہی نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے مسلم معاشرے میں کئی طرح کے مسائل پیدا ہو گئے۔ مثلاً شوہر کے عورتوں پر مظالم اور ادائے حقوق زوجیت میں کوتاہی، انھیں نان ونفقہ سے محروم رکھ کر کالمعلقہ بنائے رکھنا، شوہر کا مفقود الخبر ہونا، بے جا زدوکوب اور مار پیٹ، جس سے ان کا عاجزانہ اور مجبورانہ زندگی کا گھٹ گھٹ کر مرنا، دوسری طرف فتنوں

کا سیلاب، عریانیت کا طوفان، جس میں پاکیزہ اور عزت دار زندگی گزارنا دن بہ دن دشوار تر ہونا، اس نے ارباب دانش کے نزدیک کئی مسائل ایسے کھڑے کر دیے، جن پر انتہائی غور وفکر کی شدید ضرورت تھی، 1939ء کے آس پاس فسخ نکاح کے لیے قاضی بل مجلس قانون ساز کے ذریعہ پاس کروانے کی کوشش کی گئی مگر اس بل میں اتنی خامیاں تھیں کہ علمائے کرام نے فوراً اسے بھانپ لیا اور اس کی زبردست مخالفت کی جس کی وجہ سے وہ بل اٹک گیا۔ بہر حال انگریزوں کا نافذ کردہ وہ شریعت ایکٹ بھارت کی آزادی تک چلتا رہا۔“

یہ ایک تاریخی سچائی ہے کہ مسلم حکمرانوں نے صدیوں تک غیر منقسم ہندوستان پر حکومت کی، ہندوستان کے باشندوں کو کھان پان کی لذیذ سوغاتیں عطا کیں۔ ہزاروں عظیم مساجد اور خانقاہوں سے سرفراز کیا۔ دہلی کی جامع مسجد، لال قلعہ اور تاج محل وغیرہ تاریخی عمارتوں کا وجود انھیں محنتوں کا نتیجہ ہے، خیر یہ ایک تفصیل طلب موضوع ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے شاطر انگریز داخل ہوئے، تجارت کے راستے سے سیاست پر قابض ہو گئے۔ ظلم وستم، قتل وغارت گری، مذہبی نظم میں تبدیلی اور درس گاہوں میں اپنے عقائد وافکار کی بھرماری، اتنا ہی نہیں سماجی سطح پر ہندو مسلم فسادات اور علمائے کرام سے انگریزوں کے مذہبی پیشواؤں کے مناظرے۔ یہ تمام دردناک حادثات ہیں جن کے اظہار کے لیے نہ قلم کی زبان میں طاقت ہے اور نہ اپنی زبان میں ہمت۔

یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ مسلم حکمرانوں نے سات سو برس سے زائد ہندوستان کے سینے پر اپنے اقتدار کے پرچم لہرائے تھے۔

شیرِ میسور نواب حیدر علی اور ان کے فرزند ارجمند شیر میسور ٹیپو سلطان نے اپنے دورِ حکومت میں انگریزوں کے خلاف متعدد بار سخت معرکے کیے۔ ٹیپو سلطان کی ولادت 20 نومبر 1750ء میں ہوئی اور انگریز دشمنوں کے ظالم ہاتھوں سے شہادت 4 مئی 1799ء میں ہوئی۔ آپ نے ہندوستان کی آزادی کے لیے تاریخ ساز جنگیں لڑیں، مگر صد افسوس نام نہاد مسلمانوں کی غداری سے شہادت کا مقام حاصل کیا۔ آپ طغرق (فوجی راکٹ) کے موجد تھے۔ ہم نے دو بار ان کے مقتل، ان کی مخصوص مسجد اور قیام گاہ پر حاضری کا شرف حاصل کیا ہے۔ ماشاء اللہ ان کے قلعہ میں اہلِ سنت کا ایک مدرسہ چل رہا ہے، آپ کی شہادت سرنگاپٹنم میں ہوئی، اسی سے کچھ دوری پر وسیع گنبد میں نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے روضے ہیں۔ خانقاہ کی زمین وسیع ہے۔ گورنمنٹ کی جانب سے ان کے یومِ ولادت کا جشن بھی منایا جاتا ہے، جب کہ اہلِ محبت ان کے سالانہ عرس کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ مزار شریف کے قریب بھی مسجد اور مدرسہ ہے اور علمائے اہل سنت و جماعت کی زیر نگرانی ہے۔ آپ کا دار الحکومت سلطنت خداداد میسور تھا۔

آخری مغل تاج دار بہادر شاہ ظفر تھا وہ مذہبی فکر کا عظیم اردو کا شاعر بھی تھا، جس کے سامنے ناشتے میں اس کے بیٹوں اور پوتے کی بریدہ گردنیں رکھی گئی تھیں۔ حیرت وافسوس کا مقام ہے کہ انھیں اکتوبر 1858ء میں زندگی بھر کے لیے رنگون بھیج دیا گیا۔ آپ کو اپنے وطن ہندوستان سے دیوانگی کی حد تک محبت تھی۔ ذرا ان کے یہ دردناک اشعار دیکھیے۔

ان حسرتوں سے کہہ دو کہیں اور جا بسیں
اتنی جگہ کہاں ہے دلِ داغدار میں
کتنا ہے بد نصیب ظفرؔ دفن کے لیے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

اپنے عہد کے عظیم شہنشاہ نے رنگون کی سرزمین پر انتہائی کس مپرسی کی زندگی گزاری۔ 6 نومبر 1862ء میں آخری سانس لیا، ان کی قبر رنگون ہی میں بافیض یادگار ہے۔

1857ء میں مجاہدِ آزادی حضرت علامہ فضلِ حق خیر آبادی قدس سرہ نے دہلی کی جامع مسجد سے جہاد کا فتویٰ صادر کیا۔ بہادر شاہ ظفر سے آپ کے گہرے روابط تھے۔ اس معرکے میں کثیر مسلم مجاہدین شہید ہوئے، آپ کو انڈمان نکوبار کی بدترین جیل میں حبسِ دوام کی سزا دے کر رکھا گیا۔ اس بدترین مقام پر سیکڑوں مجاہدین کو قید و بند کی صعوبتوں سے گزرنا پڑا۔ چند برس قبل راقم ان کے عرس میں مدعو کیا گیا۔ ایئر پورٹ سے سیدھے ان کی آخری آرام گاہ پر حاضری کی سعادت حاصل کی، اس کے بعد متعدد بار ان کے مزار اقدس پر فاتحہ پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ عرس کا پروگرام بھی یادگار رہا۔ مختلف جنگوں کے بعد 1947ء میں ہندوستان کو آزادی کا پروانہ ملا۔

درمیان میں کچھ ضروری باتیں آگئیں، آزادی ملنے کے بعد ایک جمہوری دستور بنا...

”دستور ہند بنایا گیا۔ اس میں مسلم پرسنل لا کی حفاظت کی ضمانت دی گئی۔ (Constitution of India) دستور ہند کے

آرٹیکل 25 سے 28 کے تحت ہر ہندوستانی کو اپنے عائلی قوانین پر عمل کرنے کا مکمل اختیار ہے۔(freedom of Religion) مذہبی آزادی ہر ہندوستانی کا بنیادی حق ہے، اس سلسلے میں وہ پوری طرح آزاد ہے۔ یہ اس کا (Fundamental Right) بنیادی حق ہے۔ مگر اسے ستم ظریفی ہی کہیں گے کہ جس دستور میں پس ماندہ اقوام اور بعض اقلیتوں کے تعلق سے معمولی سے معمولی جزیات اور چھوٹی سے چھوٹی بات پر تفصیل موجود ہے۔ اسی دستور میں بھارت کی سب سے بڑی اقلیت کے پرسنل لا کے تحفظ کے بارے میں ایک جملہ بھی موجود نہیں ہے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ دستور ہند بنانے والوں نے دستور ہند کے مملکت کے رہنما اصول میں دفع 144 کی شق ڈال کر یکساں سول کوڈ کی ایک ایک تلوار مسلمانوں کے سر پر لٹکا دی، جو کبھی بھی گر سکتی ہے۔ اور پھر اسی کے سہارے کبھی بھی اور کسی بھی دور میں حالات کے ساز گار ہوتے ہی مسلم پرسنل لا کا سر قلم کیا جا سکتا ہے۔ اس شق کی بنیاد پر علمائے اسلام نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی ہے۔"(ص:9)

آزاد ہندوستان میں جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے اس سے ہم سب بخوبی واقف ہیں، سیاسی، سماجی اور مذہبی طور پر مسلمانوں کو جن قیامت خیز حادثات کا سامنا ہے ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں تعصب اور تنگ نظری قدم قدم پر جارحانہ رنگ دکھا رہی ہے۔ ملک میں فسادات ہوتے رہے، مسلم قائدین اور سرگرم تنظیمیں کاوش کرتی رہیں، حضرت مصنف لکھتے ہیں:

"اس سلسلے میں آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ نے پورے ملک پر زبردست اثر ڈالا۔ چوں کہ اس تنظیم کے جنرل سکریٹری خود حضرت محسن ملت شاہ حامد علی فاروقی کی ذات تھی۔ آپ خاندانی طور پر حضرت بابا فرید گنج شکر کے واسطے سے فاروق اعظم کی اولاد میں تھے، اس لیے فیضان فریدی اور جلال فاروقی لے کر آپ نے حکومت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی باتیں کیں اور انھیں مجاہدانہ انداز میں للکارا۔"

حضرت مصنف نے تازہ مثالیں پیش کرتے ہوئے تین طلاق کے مسئلے کو پیش کیا ہے۔ ظالم کہتے ہیں کہ قرآن اور احادیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ مزید کہتے ہیں کہ یہ ملا کا مذہب ہے اور اللہ کا مذہب الگ ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان ججوں کو کیا معلوم کہ قرآن اور احادیث میں کیا ہے۔ ان غیر مسلموں کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان ہی نہیں اور جو مسلم جج ہوتے ہیں، ان کی فقہی معلومات بھی برائے نام ہوتی ہیں۔ قرآن عظیم اور احادیث نبویہ میں سب کچھ ہے۔ ان کے فہم اور ترجمانی کے لیے عشق اور ایمان ضروری ہے، مگر اس سے قبل عربی زبان اور دینی معلومات بنیادی چیزیں ہیں۔ کچھ ہندو خواتین بھی برقع لگا کر تین طلاق کے خلاف واویلا مچاتی ہیں اور قانون بن جانے کے بعد اسی قسم کی غیر مسلم برقع پوش خواتین خوشی سے جھومتی، ناچتی اور ڈانس کرتی نظر آتی ہیں۔

آپ ذرا غور کریں کہ تین طلاق دینے والے کو تین سال کی سزا دی گئی تو اس کی بیوی بچوں کا ذمہ دار کون ہوگا، ان کی معاشی کفالت کون کرے گا، لامحالہ انھیں غلط راہ پر چلنے کے لیے مجبور ہونا پڑے گا، یعنی جو سزا اصلاح کے لیے دی گئی اسی کے بطن سے برائیوں کا سیلاب امنڈے گا۔ عام طور پر کہا جا رہا ہے کہ اس قانون کا نشانہ مسلم سماج ہے مگر حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ حضرت مصنف نے 2016 کا سروے نقل کیا ہے۔ موصوف تحریر فرماتے ہیں:

"پارلیمنٹ کے اس قانون پر بھی غور کرتے چلیے کہ آج تک جس کسی عورت کو طلاق ملتی تھی وہ تین چار ماہ عدت گزار کر دوبارہ کسی نہ کسی جگہ اپنا رشتہ بنا کر پھر سے نئی زندگی شروع کر دیتی تھی۔ اس کے ساتھ یہ بھی غور کریں کہ آج کے بگڑے ہوئے مسلم سماج میں طلاق کا فی صد ہے ہی کتنا؟ پچھلے سال 2016 میں کسی صاحب نے سروے کیا تو پتہ چلا پورے ملک میں 30 کروڑ مسلمانوں میں صرف 19087 کیس طلاق کے نظر آئے جب کہ غیر مسلموں میں یہ معاملہ 20 لاکھ سے بھی زیادہ پایا جاتا ہے۔ اسی طرح کسی بھی فیملی میں طلاق کا فیصد سروے کیا گیا تو پتہ چلا کہ سو سال میں اس خاندان میں صرف دو یا تین سے زیادہ طلاقیں واقع نہیں ہوئی ہیں۔"(ص:12)

اب آپ غور فرمائیں کہ ایک مسلم خاتون کے لیے تین طلاق ثابت کرنا کتنا مشکل ہوگا۔ ہم مان لیتے ہیں شوہر نے بیک وقت تین طلاقیں دیں، عام طور پر طلاقیں غصے میں اور تنہائی میں دی جاتی ہیں اور اگر متعدّد افراد کے سامنے بھی دیں تو جس طرح بیوی اپنے گواہ پیش کرے گی، شوہر بھی سزا سے بچنے کے لیے اس سے زیادہ گواہ پیش کر دے گا۔ ایسی حالت میں بیوی کو طلاق ثابت کرنا کتنا مشکل ہوگا۔ سچی بات یہ ہے کہ تین طلاق کے بعد عدت گزار کر عورت دوسری جگہ نکاح کر لے

اور اگر پہلا شوہر ہی رکھنے کے لیے تیار ہے تو وہ حیلہ شرعی (حلالہ) کر نے کے بعد یعنی بیوی دوسرے سے نکاح کرلے، وطی کرنے کے بعد وہ طلاق دے دے تو عدت گزار کر بیوی پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔ شریعت میں طلاق کی اجازت تو ہے مگر وہ انتہائی ناپسندیدہ جواز ہے۔ طلاق دینے کا قانون صرف اور صرف اسلام میں ہے، دیگر مذاہب کے افراد نے اپنے مذاہب میں اسلام سے لے کر اسے نافذ کیا ہے، خود ہندو مذہب میں بھی اسلام کے نظامِ طلاق کا اعتراف کرتے ہوئے اسے قبول کیا گیا ہے۔ آج یورپ، امریکہ، انگلینڈ، اٹلی اور جرمن سے لے کر اسے ہندوستان تک اپنایا جا رہا ہے، اسے اپنا کر انھوں نے کروڑوں خواتین کی زندگی کو امن اور سکون عطا کیا ہے، ورنہ عام طور پر بیویاں زہر کھا کر مر جاتی تھیں یا پھانسی وغیرہ سے راہِ نجات حاصل کرتی تھیں۔

حضرت مصنف نے اپنا زورِ قلم اس پر صرف کیا ہے کہ مسلم علاقوں میں دار القضا کا قیام ہو اور اس قسم کے مسائل کو کچہریوں، ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں لے جانے کے بجائے شرعی عدالتوں سے فیصلے حاصل کریں، ورنہ مسلم خواتین و حضرات کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ نہ صرف یہ کہ فیصلے شریعت اسلامیہ کے خلاف ہوں گے، بلکہ شدید مشکلات درپیش ہوں گی اور اخراجات کا اندازہ تو کرنا ہی مشکل ہے۔ حضرت مصنف اپنے دار القضا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس تعلق سے مدرسہ اصلاح المسلمین ابتدا ہی سے مسلم کورٹ بشکل عدالت شرعیہ کے ذریعے اپنا کام کر رہا ہے۔ جہاں اب تک سیکڑوں گھر اجڑنے اور برباد ہونے سے بچائے جا چکے ہیں۔ ان کے مسائل حل کیے جا چکے ہیں۔ اور آئندہ بھی انشاء اللہ حل ہوتے رہیں گے۔ حضرت محسن ملت کا مشن یہی تھا۔ جسے لے کر یہ ادارہ آج بھی اپنا کام کر رہا ہے اور آئندہ بھی کرتا رہے گا۔ اس سلسلے میں یہ کتاب آج آپ کے سامنے ہے۔ حضرت محسن ملت نے اپنے دور ہی میں دار القضا کی بنیاد ڈال دی تھی۔ جو کسی نہ کسی شکل میں برابر اپنا کام کر رہا تھا۔

حضرت محسن ملت نے اپنے دور میں اس طرح کے مسائل میں مسلک مالکی کی بنیاد پر آج سے تقریباً 70، 75، سال پہلے کئی فیصلے فرما کر عورتوں کو آبرومندانہ زندگی گزارنے کا موقع دیا۔

اس سلسلے میں حضرت محسن ملت علیہ الرحمہ نے 8 رجب 1443ھ مطابق 3 فروری 1924ء کو سید میر زوج وزیر بی کے مفقود الخبر ہونے پر مسلک امام مالک پر اسے دوسرے نکاح کی اجازت دی۔

31 دسمبر 1985 کو رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری نے مسلم پرسنل لا کانفرنس کے موقع پر مدرسہ اصلاح المسلمین و دار الیتامی رائے پور چھتیس گڑھ میں اس کی مستقل بنیاد ڈال کر اسے نئی زندگی دی جس سے پرسنل لا کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اس سے پہلے حضرت علامہ نے غالباً 1959 مطابق 1389ھ کے آس پاس پٹنہ بہار میں ادارہ شرعیہ کی نہ صرف بنیاد ڈالی بلکہ علمائے کرام کی بارگاہ میں اس طرح کے مسائل پر مشتمل ایک سوال نامہ بھی پیش کیا۔ جس میں عورتوں کے مسائل پر تفصیلی گفتگو بھی کی۔ وہ سوال نامہ اور اس کے جوابات کی روشنی میں آج بھی ادارہ شرعیہ پٹنہ بہار اپنا کام کر رہا ہے۔ اس سوال اور جواب کی ایک کاپی انھوں نے مجھے بھی عطا کی۔ جس کی روشنی میں اس طرح کے مسائل پر، مدرسہ اصلاح المسلمین مسلم یتیم خانہ رائے پور سی جی کے دار القضا میں بحیثیت قاضی آج تک میں اپنا کام کر رہا ہوں۔" (ص: 16، 17)

اس کے بعد حضرت مصنف نے "تحکیم و قضا کے مسائل" تحریر فرمائے ہیں۔ اس کے تین ذیلی عناوین ہیں:

(1)-حکم قضا، قرآن میں۔ (2)-حکم قضا حدیث میں۔

(3)-قضا کی ضرورت۔

ان تینوں مرکزی عناوین کے ذیلی عنوانات بھی ہیں۔ اب ہم ذیل میں مجدد و مفکر امام احمد رضا محدث بریلوی کی انتہائی گراں قدر تحریر اسی کتاب سے نقل کرتے ہیں۔ عنوان قائم فرمایا ہے "استحقاق قضا" امام احمد رضا تحریر فرماتے ہیں:

"یہ استحقاق علی الترتیب تین طور پر ثابت ہوتا ہے۔ اول وہ سلطان اسلام ہو۔ ثانی جہاں سلطنت اسلام نہیں وہاں امامت عامہ اس شہر کے اعلم علمائے دین کو ہے۔ ثالث جہاں یہ بھی نہ ہو وہاں بہ مجبوری عام مسلمان جسے مقرر کر لیں۔ (فتاوی رضویہ جلد 3، صفحہ: 205)

اقسام قاضی پر روشنی ڈالتے ہوئے مجدد و مفکر امام احمد رضا محدث بریلوی ارشاد فرماتے ہیں:

امیر شریعت دو قسم کے ہیں اختیاری و قہری۔ اختیاری وہ ہے جو کسی پر اپنے احکام کی تنفیذ میں جبر کا اختیار نہیں رکھتا۔ احکام شریعت بتا دینا اس کا کام ہے، ماننا نہ ماننا لوگوں کا اختیار۔ یہ امیر شریعت متدین

فقہاے اہل سنت ہیں جو کثیر فروع فقہ کا حافظ ہو اور پیش آمدہ مسائل کے احکام صحیحہ، رجیحہ مفتٰی بہ مذہب کی کتب معتمدہ سے نکال سکے۔

عدم سلطان کی حالت میں مسلمانوں پر امور دینیہ میں متدین معتبر علماے اہل سنت کی طرف رجوع کرنا اور بھی لازم تر ہو جاتا ہے۔ کہ بعض خاص دینی کام جنھیں ولاۃ وقضا اٹھائے ہوئے ہیں، ان میں بھی تا حد ممکن انھیں کے حکم سے تعمیل کرنی ہوتی ہے۔ سوائے حدود و تعزیر و قصاص، جن کا اختیار غیر سلطان کو نہیں۔ یہ امیر کسی کے انتخاب پر نہیں بلکہ خود بہ انتخاب الٰہی منتخب ہوتا ہے۔ دیانت وفقاہت میں اس کا تفوق وتفرد خود ہی اسے متعیّن کرتا ہے۔ یہاں تک کہ لوگ اگر اس کے غیر کو منتخب کریں گے، خطا کریں گے اور اسی کا اتباع لازم ہوگا کہ وہی اہل ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد 6، ص:20)

اب ہم ذیل میں دار القضا کے قیام اور مسائل و شرائط کے حوالے سے رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری کا استفتا نقل کرتے ہیں۔ مقامِ مسرت یہ ہے کہ اس فتوے پر اکابر فقہاے اہلِ سنت کی تائیدات بھی ہیں۔

”قضاۃ کے فرائض ومسائل

الی سادۃ علماء الاسلام

سال گذشتہ دار القضاۃ کے قیام کے سلسلے میں مشاہیر علماے اہل سنت سے ایک استفتا کیا گیا تھا جس کے جواب کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

1. آج کے ہندوستان میں اپنے ان معاملات کے فیصلے کے لیے جن میں مسلمان حاکم ہونے کی شرط ہے جمہور مسلمین کو شرعاً یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی عالم یا باشرع کو اپنا قاضی مقرر کر لیں۔ ایسے قاضی کا فیصلہ اپنے حدود خاص میں جائز و نافذ ہوگا۔
(شامی، جامع الفصولین، فتاوی رضویہ، بہار شریعت)
2. مفقود الخبر، معدومۃ النفقہ، عنین، مجنون، مظلومہ، معلقہ وغیرہا مسائل میں از روے شرع مسلمانوں کا مقرر کردہ قاضی عورت کی درخواست پر زن وشوہر کے درمیان تفریق بھی کر سکتا ہے اور عند الضرورۃ الشدیدہ غائب پر حکم بھی نافذ کر سکتا ہے۔
(فتح القدیر، شامی، جامع الرموز، مجمع الانہر)
3. مسلمانوں کا مقرر کردہ قاضی بہ شراط مخصوصہ ومعہودہ وفریقین کے بیانات سننے کے بعد اپنی صوابدید پر مقدمات کا فیصلہ کر سکتا ہے، اور شرعاً اس کا فیصلہ نافذ ہوگا: (شامی وغیرہ)

مذکورہ بالا جوابات کی جن علماے اہل سنت نے توثیق فرمائی تھی، ان کے اسماے گرامی یہ ہیں:

1. تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم القدسیہ۔
2. سید العلما حضرت مولانا سید شاہ آل مصطفیٰ صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ
3. استاذ العلما حضرت مولانا عبد العزیز صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ
4. امین شریعت حضرت مولانا رفاقت حسین صاحب مفتی اعظم کان پور
5. مجاہد ملت حضرت حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ دامت برکاتہم۔
6. حضرت قاضی شمس الدین صاحب قبلہ جون پوری۔
7. حضرت علامہ الحاج عبد الرشید خان صاحب قبلہ مفتی ناگ پور
8. حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی مفتی اشرفیہ مبارک پور۔ وحضرات علماے فیض الرسول براؤں شریف۔

قائدِ اہلِ سنت حضرت علامہ ارشد القادری کسی معمولی شخصیت کا نام نہیں ہے بلکہ بے شمار اوصاف و کمالات کے جامع تھے، ہندوستان میں ایک سے ایک یکتاے روزگار شخصیات تھیں، مگر آپ کے اندر دردمند دل تھا، آپ نے جو تحریر ملاحظہ فرمائی، اس کے محرک آپ ہی تھے۔ آپ نے اپنے اکابر اور مخلصین سے دار القضا کے قیام کا جواز حاصل فرمایا، اسی کی ضمن میں قاضی کے اختیارات بھی واضح ہو گئے۔ اب آپ نے دوسرا استفتا مفتیانِ عظام کی بارگاہوں میں پیش فرمایا، حضرت علامہ کا استفتا ملاحظہ فرمائیے:

دار القضا کے قیام اور قاضی کے اختیارات کا مسئلہ طے ہو جانے کے بعد اب دار القضاۃ کے جزئیات اور مختلف اصناف قضا کے طریقۂ کار کے متعلق مندرجہ امور دریافت طلب ہیں۔ از راہ کرم تفصیلی جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

1. شریعت میں فرقت بین الزوجین کی کتنی ممکن صورتیں ہیں؟
2. ان ممکن صورتوں میں کتنی صورتیں ایسی ہیں جن میں قضاے قاضی شرط ہیں؟
3. ان ممکن صورتوں میں کتنی صورتیں فسخ کے حکم میں ہیں اور کتنی صورتیں طلاق کے حکم میں ہیں؟
4. فرقت کی ان تمام صورتوں کو عمل میں لانے کے لیے فقہی ضابطے کیا ہیں؟ الگ الگ تفصیل وار بیان کیے جائیں؟

5. کتنی شکلیں ایسی ہیں جن میں بیوی نصف دین مہر کی مستحق ہے؟
6. کتنی شکلیں ایسی ہیں جن میں بیوی کا سارا دین مہر ساقط ہو جاتا ہے؟
7. شہادات و تنقیحات کے سلسلے میں مرکزی قاضی کیا اپنے کسی نائب پر بھروسا و اعتماد کر کے فیصلہ کر سکتا ہے۔ جو ملک کے دور و دراز حصوں سے اس کے پاس بھیجی جائیں۔ مدلل طور پر اسے واضح کیا جائے۔

المستفتی ارشد القادری ناظم اعلیٰ ادارہ شرعیہ بہار پٹنہ

1389ھ/1959ء

استفتا کا جواب بھی متعدّد مفتیانِ کرام نے دیا ہوگا مگر حضرت مصنف نے محقق اہلِ سنت حضرت مفتی محمد عبید الرحمٰن رشیدی دامت برکاتہم العالیہ کا تحقیقی جواب نقل فرمایا ہے، جس کی تائید حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ، شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ اور حضرت برہان ملت محمد برہان الحق قادری جبل پوری علیہ الرحمہ نے فرمائی ہے۔ حضرت مفتی محمد عبید الرحمٰن رشیدی ان دنوں مدرسہ فیض الرسول جمشید پور کے صدر المدرسین تھے اور اس وقت سجادہ نشین خانقاہ عالیہ رشیدیہ جون پور وغیرہ ہیں۔

حضرت مفتی محمد عبید الرحمٰن رشیدی دامت برکاتہم العالیہ نے تفصیلی جواب رقم فرمایا ہے۔ ہم یہاں صرف "مفقود الخبر" کے تعلق سے جواب نقل کرتے ہیں:

"جس عورت کا شوہر غائب ہو اور یہ پتہ نہ ہو کہ کہاں ہے ایسی صورت میں عورت کو حق ہے کہ قاضی یا حاکم شرع کے حضور استغاثہ پیش کرے اور قاضی بعد ثبوت دعویٰ روز مرافعہ (نالش) سے چار سال کی مہلت دے۔ اب اگر اس درمیان شوہر کا پتا نہ چل سکا اور چار سال کی مدت گزر گئی تو قاضی کو حق ہوگا کہ تفریق کر دے۔

یہ صورت حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک پر ہے مگر ضرورت مصلحت کے وقت مذہب امام مالک پر عمل کرتے ہوئے قاضی حنفی بھی تفریق کر سکتا ہے جیسا کہ علامہ شامی علیہ الرحمہ نے ردالمحتار میں مسئلہ ممتدۃ الطہیر کے بیان میں تحریر فرمایا ہے۔

قال الزاهدي و قد كان بعض اصحابنا يفتون بقول مالك في هذه المسئله للضرورة .ثم رأيت مابحثته بعينه ذكر محشي مسكين عن السيدي الحموی وسیاتی نظیر هذه المسئله في الزوجة مفقودة الزوج حيث قيل انه يفتى بقول مالك انها تعتد عدة الوفات بعد مضي اربع سنين –

اور ایک دوسری جگہ مسئلہ قضاۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔

وكذالك مافى الفتح من باب المفقود لايجوز القضاء على الغائب الا اذا راى القاضي مصلحة في الحكم له و عليه محكم فانه ينفذ لانه مجتهد فيه . الخ قلت و ظاهرة لو كان القاضى حنفيا ولوفى زماننا ولا نيا في مامر لان تجويز هذا للمصلحة و الضرورة

حضرت مفتی محمد عبید الرحمٰن رشیدی بلند پایہ شخصیت اور محقق استاذ و مفتی ہیں۔ آپ برسوں درس و تدریس سے وابستہ رہے، آپ حضور حافظ ملت نور اللہ مرقدہ کے تلمیذ رشید اور نام ور فاضلِ اشرفیہ ہیں۔ آپ نے اپنے اس فتوے میں فتویٰ نویسی کا حق ادا فرما دیا ہے۔ برسوں پہلے آپ جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے تھے اور مجلس میں آپ کی علمی اور تحقیقی خدمات کے حوالے سے کچھ عرض کرنے کی کوشش کی تو آپ نے اپنی مخصوص وضع داری کے ساتھ یہ شعر پڑھ کر بات ختم فرما دی تھی۔

جو پڑھا لکھا تھا ریاضؔ نے
اسے صاف دل سے بھلا دیا

اس وقت ماشاء اللہ آپ فقہ و تصوف میں ڈوبے ہوئے ہیں اور خانقاہ رشیدیہ کے اسلاف کی کتابوں کو ایڈٹ کرا کے نشر و اشاعت فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایۂ کرم دراز فرمائے۔ آمین۔

کتاب کا نام اگر اردو میں ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا، بعض مسائل و مباحث میں تکرار ہوگئی ہے۔

حق اور سچ یہ ہے کہ قاضیِ شہر رائے پور نے کتاب کو بڑے سلیقے سے مرتب فرمایا ہے۔ زبان و بیان، عمدہ سلیس اور رواں دواں ہے۔ دار القضا کے قیام اور اہتمام اور تمام ذیلی مسائل پر زبردست انداز بخشیں فرمائی ہیں۔ حق یہ ہے کہ آپ نے حق ادا فرما دیا۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ، ہم دل کی اتھاہ گہرائیوں سے تبریکات پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب شارع اسلام ﷺ کے طفیل اس تحقیقی دستاویز کو مقبولیت عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم، یارب العالمین جل جلالہ۔ ☆☆☆

خیابانِ حرم

منظومات

پیارے نبی کی یاد ہے سینہ لیے ہوئے

پیارے نبی کی یاد ہے سینہ لیے ہوئے — یعنی بہارِ خلدِ مدینہ لیے ہوئے
پنہاں ہے میرے سینے میں عشقِ نبی کا درد — بیٹھا ہوں کتنا پاک دفینہ لیے ہوئے
ہجرِ نبی کے داغ سے سینہ ہے پُر ضیا — گویا ہوں آفتاب مدینہ لیے ہوئے
ہم ڈوب ہی چلے تھے بروزِ جزا مگر — قسمت سے آگئے وہ سفینہ لیے ہوئے
میدانِ حشر میں بھی شفؔا جھومتا چلا
عشقِ نبی کا ہاتھ میں مینا لیے ہوئے

از: علامہ محمد شفیع اعظمی شفؔا مبارک پوری علیہ الرحمہ

سلام بحضور نور نگاہ سید الکونین سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

شان محبوب داور پہ لاکھوں سلام — نور عینین حیدر پہ لاکھوں سلام
جان بنتِ پیمبر پہ لاکھوں سلام — یعنی شبیر و شبر پہ لاکھوں سلام
اے شہید بلا! میرے پیارے حسین! — تیرے جسم مطہر پہ لاکھوں سلام
صبر و ایثار کے تاجور پہ درود — استقامت کے پیکر پہ لاکھوں سلام
عظمتیں جس کے قدموں پہ سجدہ کریں — شہر بانو کے دل بر پہ لاکھوں سلام
جس کے سائے میں ہے امت مصطفیٰ — تیری زلف معنبر پہ لاکھوں سلام
آل حیدر کے پھولوں سے روشن ہوئی — کربلا کے مقدر پہ لاکھوں سلام
سلطنت شام کی جس سے تھرا گئی — زینبی رعب و تیور پہ لاکھوں سلام
جس نے بابا پہ جاں اپنی قربان کی — اس جواں سال اکبر پہ لاکھوں سلام
جس سے گھبرا گئی فوج ظلم و ستم — یعنی شش ماہے اصغر پہ لاکھوں سلام
سونگھتے تھے جسے شاہ کون و مکاں
نور اس پھول پیکر پہ لاکھوں سلام

از: سید محمد نور الحسن نورؔ، قاضی پور شریف

قندیلِ نور

میرا یہ کام باعثِ تنزیلِ نور ہے
ترقیمِ نعت اصل میں تشکیلِ نور ہے
وصفِ رسولِ پاک میں جو کچھ کہا گیا
وہ حرف حرف قلزمِ تخئیلِ نور ہے
لکھتا ہوں ان کا نام تو ہوتی ہے روشنی
میرا قلم ، قلم نہیں ، قندیلِ نور ہے
ان کا سراپا ذہن میں یوں ہے بسا ہوا
جیسے کہ سامنے کوئی ترتیلِ نور ہے
میرا ہر ایک بال مُرَقّع ہے خیر کا
میری ہر ایک سانس بہ تحویلِ نور ہے
تجھ سے ہی جا بجا ہے اجالا جہان میں
تیری ہی ذات صاحبِ تکمیلِ نور ہے
زیبائیِ جمالِ رخ والضحیٰ تو چھوڑ
نعلِ حضور نازشِ اِکلیلِ نور ہے
حیرت ہے! لوگ کیسے انھیں خود سا کہتے ہیں
دنیا میں کیا کہیں کوئی تمثیلِ نور ہے؟
ثاقب! حدیثِ مدح کا مجمل بیان بھی
تشریحِ جذب و کیف ہے، تفصیلِ نور ہے

ثاقب قمری مصباحی
qamrisaqib@gmail.com

سفرِ آخرت

اخلاق وکردار کا وصف جمیل جاتا رہا

قمر اخلاقی امجدی

عالم اسلام کی عظیم و قدیم خانقاہ واحدیہ طیبیہ بلگرام شریف کے صاحب سجادہ حضرت جامع طریقت منبع رشد وہدایت آل رسول سید طاہر میاں صاحب بلگرامی ہم سے رخصت ہوگئے ہیں، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت سید طاہر ملت اپنے عہد کے دنیائے روحانیت کی عظیم شخصیت کا نام ہے، آپ کے آباواجداد میں اقطاب وابدال، محدثین و مجدد جیسی عظیم شخصیات موجود ہیں، آپ کے کثیر مریدین ومحبین ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہیں، آپ اخلاق وکراد اور رشد وہدایت کی دنیا میں مثالی کردار کے متحمل تھے، چہرہ روحانی اور ہمیشہ مسکراہٹ طاری رہتی ،دور سے دیکھنے والوں کو احساس ہوتا ہے واقعی آل رسول ہیں، علمائے کرام کی بے حد تعظیم فرماتے، دارالعلوم واحدیہ طیبیہ کے دوسالہ زمانہ تدریس میں بارہاں موقع ملا کہ حضرت خود سے چائے بناتے اور سارے اساتذہ کو چائے نوش کرنے کی دعوت دیتے، انکساری اور عاجزی کوٹ کوٹ بھری ہوئی تھی، مریدین کے ساتھ بہت انسیت فرماتے۔ دارالعلوم کے طلبہ سے آپ بے حد محبت فرماتے، اپنے ہم عصر شیوخ وعلمائے کرام میں ممتاز صفت رکھتے تھے۔

ابتدائے شرق:

خاندان کیسا ہے کہنے یا مزید لکھنے کی ضرورت نہیں آپ نے آغوش علم وعرفاں کاشانہ واحدی میں 1944ء میں اپنی دنیائے فانی کی پہلی سانس لی، ایام طفولیت دادا حضور عارف باللہ سید ستھرے میاں علیہ الرحمۃ کے سایہ عاطفت میں گزری، ذہن وقلب شروع سے ہی صوفیانہ تھا اور ہو کیوں نہیں جب کہ خانوادہ علوم ظاہری و باطنی کا مرکز ہے، سرکار سیدی طاہر ملت علیہ الرحمۃ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار حضور عارف باللہ سید ستھرے میاں علیہ الرحمۃ سے حاصل کی اور حفظ قرآن مجید بھی دادا حضور سے ہی مکمل فرمایا، اور سینہ بسینہ وہ سب کچھ عطا فرمادیا جو خانقاہی امانت چلی آرہی تھی، دادا حضور فقیرانہ زندگی میں بادشاہی مقام رکھتے تھے، ہندو مسلم بلاتفریق ہر انسان آپ سے مستفید ہوتا۔

کچھ یادیں کچھ باتیں

جامع رشد وہدایت پیکر اخلاص وکردار منبع رشد وہدایت حضرت سید میر محمد طاہر میاں بلگرامی 2017 میں حضرت شیخ طریقت طبیب ملت حافظ الشاہ اخلاق احمد نوری یوسفی تیغی علیہ الرحمہ کے سالانہ عرس کے موقع سے خانقاہ قادریہ تیغیہ اخلاقیہ کھرساہا شریف سیتامڑھی بہار تشریف لائے اور پورا علاقہ جوش محبت میں ٹوٹ پڑا، اس سال عرس اخلاقی کا منعقد ہونا بھی بڑا غیر یقینی ہو گیا تھا، دن بھر مکمل بارش کی وجہ سے زمین تر تھی آمد ورفت متاثر تھی لیکن آل رسول کی آمد کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ موسم بالکل شفاف فرمادیا اور عرس اخلاقی مکمل تزک واحتشام اور قدیم روایت کے ساتھ منعقد ہوا، اس پروگرام میں حضرت طاہر ملت نے خانقاہ قادریہ تیغیہ یوسفیہ اخلاقیہ کے صاحب سجادہ حضرت مولانا حافظ وقاری اختر رضا قادری کو سلسلہ واحدیہ طیبیہ کی خلافت سے بھی نوازا تھا، گویا دونوں خانقاہوں کا ایک روحانی رابطہ آپ نے منسلک کردیا، اس سفر میں دارالعلوم واحدیہ طیبیہ بلگرام شریف کے سینئر استاد قاری ابوالحسن واحدی ساتھ تھے۔

حضور تاج الشریعہ اور حضور طاہر ملت علیہما الرحمہ کے درمیان باہمی الفت ومحبت

دونوں مقتدر بزرگوں کے درمیان کافی الفت ومحبت تھی 2011 میں حضور تاج الشریعہ بدرالطریقہ قاضی القضاہ علامہ اختر رضاخاں بریلوی بلگرام شریف سالانہ عرس واحدی طیبی میں تشریف لائے، دونوں اکابر کے درمیان ربط باہمی کا رویہ قابل دید تھا، جلسہ کے اسٹیج پر حضور سیدی سرکار طاہر ملت کی آمد ہوئی، ساتھ حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ بھی، اسٹیج پر حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ کے لئے کرسی لائی گئی آپ اس وقت کچھ بیمار تھے، لیکن آپ اس وقت تک کرسی پر نہیں بیٹھے، جب تک حضور سیدی سرکار طاہر ملت علیہ الرحمۃ کرسی پر نہ بیٹھ گئے، دونوں بزرگوں کے اس عمل سے عوام وخواص پر گہرا اثر ہوا۔

ولی عہد سجادہ حضرت پیر طریقت مولانا سید سہیل میاں قادری:

ولی عہد سجادہ پیر طریقت حضرت سید سہیل میاں صاحب قبلہ خانقاہ واحدیہ طیبیہ کے چشم وچراغ ہیں اپنے والد بزرگوار کے صاحب سجادہ ہیں، خانقاہ کی ترویج واشاعت کے لیے آپ کی بڑی خدمات ہیں دینی خدمات کے لیے ملک بھر میں سفر فرماتے رہتے ہیں، والد ماجد کی طرح علما نواز ہیں اکابرین اہل سنت کی تعظیم و توقیر میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے، مسلک اعلیٰ حضرت پر سختی پابندی کرتے اور اپنے محبین و مریدین کو مسلک اعلیٰ حضرت پر سختی عمل کرنے کی تاکید بھی کرتے ہیں، جلسہ و جلوس میں بسا اوقات بڑی نکاتی گفتگو کرتے ہیں کم گو ہیں نوجوان شیوخ میں اپنا ایک اہم مقام رکھتے ہیں، خاندانی اثرات و روحانیت کے علم بردار ہیں، آپ کئی اداروں کی سرپرستی فرمارہے ہیں، قصبہ بلگرام شریف میں دارالعلوم واحدیہ طیبیہ کی نظم ونسق کی ذمہ داری، دارالعلوم واحدیہ برکات رضا کی سرپرستی آپ ہی فرمارہے ہیں، قرب و جوار میں اس ادارہ کی اپنی ایک پہچان ہے، والد گرامی سیدی حضور طاہر ملت علیہ الرحمۃ کے بقید حیات رہتے ہوئے ہی آپ کی مساعی جمیلہ نے سلسلہ واحدیہ طیبیہ کو دور دراز مقامات پر پھیلا دیا، دعا ہیکہ اللہ رب العزت آپ کو اپنے اسلاف کی روش پر چل کر ترقیاں عطا فرمائے، ان کو اور ہم تمام معتقدین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

☆☆☆☆

آہ! سرزمین بلگرام کا آفتاب رشد وہدایت غروب ہوگیا

سید صابر حسین شاہ بخاری قادری

کل سے اس روح فرسا خبر نے بندہ کو نہایت مغموم کیا ہوا ہے کہ اولیا وصوفیا کی سرزمین بلگرام میں عظیم علمی وروحانی شخصیت حضرت قبلہ میر سید عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نبیرہ شیخ طریقت عالم شریعت علامہ حافظ سید طاہر میاں قادری بلگرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی کل نفس ذائقۃ الموت کے تحت اس دار فانی کو چھوڑ کر عالم جاویدانی کو سدھار گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

گزشتہ چند سالوں سے علما و مشائخ کے سفر آخرت میں نہایت ہی تیزی دیکھنے میں آئی ہے، آہ!

ع۔ جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

علم و عرفاں کی روحانی اور وجدانی محفلیں سونی ہوتی جارہی ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ ان جانے والی عظیم المرتبت شخصیات کا نعم البدل تو درکنار بدل بھی نہیں مل رہا۔ ہم اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں فریادرس ہیں:

اے خاصۂ خاصان رسل اب وقت دعا ہے
امت پہ تیری وقت عجب آن پڑا ہے

شیخ طریقت علامہ مولانا حافظ سید طاہر میاں قادری بلگرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سرزمین بلگرام میں گلستان سادات کے ایک مہکتے ہوئے پھول تھے۔ ہر خاص وعام میں مقبول تھے۔ اپنوں کے لیے ابر ریشم اور گستاخوں کے لیے سیف المسلول تھے۔ اکابر کے احترام اور اصاغر نوازی میں اپنی مثال آپ تھے۔ اخلاق حسنہ میں ایسے کہ آپ کو دیکھ کر قرون اولیٰ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ آپ نے 8 محرم الحرام 1443ھ/17 اگست 2021ء بروز منگل کو دوپہر تین بجے رخت سفر باندھا اور عالم جاوداں کو روانہ ہوگئے۔

آپ کی وفات حسرت آیات سے ہم سب پریشان اور افسردہ ہیں لیکن مرضی مولی از ہمہ کے سامنے ہم بے بس ہیں اور اس کی رضا پر راضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل آپ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور آپ کے پسماندگان میں بالخصوص شہزادگان صاحب زادہ سید سہیل میاں اور صاحب زادہ سید رضوان میاں اور جملہ شہزادگان کو صبر جمیل اور صبر جمیل پر اجر جزیل عطا فرمائے آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ واولیاء امتہ وعلما ملتہ. ☆☆☆

صدائے بازگشت

دعائے صحت کی اپیل

مکرمی ! فقیر کے مہربان اور قدردان محبی مخلصی عزیزی عتیق الرحمن قادری رضوی زید مجدہ کی وساطت سے یہ افسوس ناک خبر سامنے آئی ہے کہ نبیرہ شہنشاہ کوکن خلیفۂ حضور تاج الشریعہ و حضور امین شریعت حضرت قبلہ علامہ الشاہ ابو الحسنین سید آل رسول عبدالقادر جیلانی قادری دامت برکاتہم العالیہ کے فرزند ارجمند حضرت سید ہمام قادری جیلانی اطال اللہ عمرہ ان دنوں علیل ہیں، ان کی طبیعت ناساز ہے۔ عالم اسلام کے دردمند علما و مشائخ کی خدمت میں فقیر کی گزارش ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اس شہزادے کی صحت و سلامتی کے لئے دعا کا اہتمام فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے طفیل گلستان سادات کے اس مہکتے ہوئے پھول کو ہمیشہ سرسبز و شاداب اور خوشبودار رکھے، انہیں صحت عاجلہ کاملہ عطا فرمائے اور شہید کرب وبلا اور ان کے شہزادے حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیماری کے صدقے نہ صرف انہیں صحت یابی عطا فرمائے بلکہ دنیا بھر کے بیمار مسلمانوں کو صحت و سلامتی عطا فرمائے آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ۔ دعاگو و دعاجو

سید صابر حسین شاہ بخاری قادری غفرلہ

مدیر اعلیٰ الحقیقہ، ادارہ فروغ افکار رضا و ختم نبوت اکیڈمی

سوشل میڈیا کے مثبت اثرات

مکرمی ! ماضی میں ذرائع ابلاغ اور مواصلاتی نظام ایک محدود دائرے میں تھے مگر جیسے جیسے سائنس اور ٹیکنالوجی نے ترقیاتی سفر طے کیا جدید مواصلاتی نظام نے اپنا دائرہ وسیع سے وسیع تر کرنا شروع کر دیا اور عصر حاضر میں اس کی ترقی کا اندازہ لگانا ہر کس و ناکس کے فکر و خیال سے بالاتر ہے.

دور حاضر میں میڈیا کی اہمیت، افادیت، نقصانات اور اس کے ذریعہ انجام پانے والے جرائم کا احتساب دشوار ترین امر ہے کیونکہ میڈیا کرۂ ارض کی اس عظیم قوت و طاقت کا نام ہے جس کے ذریعے بے گناہوں کو گنہگار اور گنہگار کو بے گناہ ثابت کرنا روزمرہ کے معمولات میں شامل ہے۔

میڈیا سماج و معاشرہ میں رونما ہونے والے واقعات و حادثات کی ترسیل کے علاوہ رائے عامہ ہموار کرنا ذہن سازی کا عمل بھی انجام دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ موجودہ زمانے میں حکمران جماعت کا بہترین آلہ کار بھی ہے اور مملکت کا چوتھا ستون بھی سمجھا جاتا ہے ان ہی وجوہات کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ماضی کے بہ نسبت آج اس کی اہمیت دو چند ہو گئی ہے۔ الیکٹرانک میڈیا، پرنٹ میڈیا ہو یا پھر سوشل میڈیا ان کی افادیت اور ضرورت سے کوئی بھی باشعور انسان انکار نہیں کر سکتا ہے۔ انسانی زندگی کے ہر مرحلہ میں اس کی کرشمہ سازیاں دکھائی دیتی ہیں۔ اکیسویں صدی میں یہ کہنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ آج کے دور میں انسانی زندگی کا آغاز ہی میڈیا کے ساتھ ہوتا ہے۔ میڈیا کی افادیت کا دائرہ اتنا وسیع ہوتا گیا ہے کہ دور حاضر میں سیاسی سماجی حکومتیں مذہبی کاروباری شعبہ جات پر میڈیا کا سایہ ہر شخص محسوس کر رہا ہے، دینی مسائل کی نشر واشاعت سے لے کر کاروباری اشتہارات تک میڈیا کی رسائی نظر آتی ہے حکومتی فرامین ہوں یا سماجی اقدار ہر ایک پر میڈیا کا قبضہ نظر آتا ہے۔ ادھر چند برسوں سے میڈیا کی جس قسم نے سب سے زیادہ لوگوں کو متاثر کیا ہے وہ سوشل میڈیا ہے جس کی اہمیت روز بروز بڑھتی ہی جا رہی ہے بلکہ اب تو بعض افراد یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ سوشل میڈیا کے بغیر تصور زندگی ادھورا ہے، اور زندگی کا لازمی جز سوشل میڈیا ہے۔ یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ جوان نسل کے ذہن و دماغ پر سوشل میڈیا کا جادو چڑھا ہوا ہے۔ دن بھر سوشل میڈیا سے جوان نسل چپکی رہتی ہے جس کا خمیازہ خاندان اور سماج دونوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔ جس طرح دنیا کی ہر چیز کے اثرات کچھ مثبت اور کچھ منفی ہوتے ہیں بعینہ سوشل میڈیا کے بھی مثبت اور منفی اثرات ہیں جس کا مشاہدہ چشم بشر کرتی بھی ہے اور ارباب عقل و خرد محسوس بھی کرتے ہیں۔

اگر سوشل میڈیا کے مثبت اثرات کی بات کی جائے تو ہر ذی شعور اس بات کو محسوس کر رہا ہے اور سمجھ رہا ہے کہ ادھر کچھ عرصے سے ایک موذی مرض کے پھیلاؤ کے بعد جب پوری دنیا تعطل اور لاک ڈاؤن کے عفریتی پنجوں میں جکڑی ہوئی تھی، ہر شخص گھر میں قید تھا اس وقت انسانی سماج میں تفریح طبع کا بہترین سامان جس چیز نے فراہم کیا تھا تو وہ سوشل میڈیا ہی تھا۔ جس نے اضطراب سے بھرپور ماحول میں کچھ لمحات کے لیے سامان سکون فراہم کیا تھا وقتی طور پر غم دنیا غلط کرنے کا بہترین ذریعہ تھا اس کے

علاوہ جب انسانی سماج میں اضطراب و بے چینی کی کیفیت طاری تھی، ایک دوسرے سے ملاقات کرنا مشکل اور دشوار تھا، اس وقت دنیا کے گوشہ و کنار میں اپنے اعزا و اقارب، احباب و رفقا کی خبر گیری کا واحد ذریعہ سوشل میڈیا تھا۔ جس کے مختلف النوع پروگرام و سافٹ ویئر کے ذریعے انسان نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے کی آواز سن کر مطمئن ہوتا تھا بلکہ ایک دوسرے کی صورت و شکل بھی دیکھ پا رہا تھا۔

کورونا کے بڑھتے معاملات اور علاج و معالجہ کے لازمی انتظامات کے فقدان کے سبب جب تعلیمی مراکز، یونیورسٹیز، اسکول کالجز پر تالا بندی کا حکم تھا تو بچوں کو درسیات سے قدر مانوس رکھنے میں بھی سوشل میڈیا نے کلیدی رول ادا کیا تھا۔ آن لائن کلاسز تعلیمی مراکز نے منعقد کیا۔ سماجی و سیاسی مسائل پر سیمینار، مذہبی پروگرام کے انعقاد کی راہیں مسدود نہیں ہوئیں۔

آج کے ترقی یافتہ دور میں جب دنیا کے پاس وقت کم کام زیادہ ہے ایسے حالات میں معلومات بہم پہنچانے کا کام بھی سوشل میڈیا بہت اچھی طرح نبھاتا ہے۔ تجارتی امور اور پیشہ وارانہ کام کی تشہیر کے لیے بہترین امکانات فراہم کرنا عالمی حالات و خبروں سے باخبر ہونے کا بہت ہی اچھا ذریعہ ہے۔

ان تمام مثبت اثرات کے علاوہ کچھ منفی اثرات بھی ہیں جن کے سبب مسلسل ایک طبقہ کی طرف سے یہ آواز بلند ہوتی رہی ہے کہ سوشل میڈیا سے ہمیں دور رہنا چاہیے کیونکہ حقیقتاً جہاں سوشل میڈیا نے انسانی سماج کی خدمت کی ہے وہیں اس سے غیر ضروری تعلق نے اخلاقی اقدار کا خاتمہ اور بے حیائی کو فروغ دیا ہے۔ صحیح و غلط، سچ جھوٹ کو ایسے پیرایہ میں پیش کیا جاتا ہے کہ بادی النظر میں فیصلہ کر پانا مشکل ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں زندگی میں محدودیت پیدا ہوگی اور قدیم روایات اور باہمی الفت کی وہ شیرینی جو اسلاف کے یہاں تھی محدود ہوتی جا رہی ہے۔ گھریلو اور معاشرتی سکون غارت ہو رہا ہے ایسے میں ضروری ہے کہ ہم سوشل میڈیا پر رہ کر بھی دینی فرامین، قرآن و سنت کی حاکمیت اور بالادستی کو برقرار رکھ سکیں۔

عمومی طور پر میڈیا کی ذمہ داری ہے کہ وہ سماج کے سامنے حقائق پیش کرے اور بلا خوف و خطر سچائی بیان کرتی رہے۔ مگر ادھر کچھ عرصہ سے حالات کا مشاہدہ اور تجربہ اس کے برخلاف گواہی دیتا ہے۔ جب سے دنیا میں کرونا نامی وبا کا پھیلاؤ بڑھا ہے تب سے دیکھنے میں یہ آ رہا ہے کہ میڈیا اکثر اوقات اپنے منصبی فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کر رہا ہے جبکہ کلی طور پر ایسا نہیں ہے۔ بعض حق پسند اور حقیقت کے شیدا ایسے صحافی و تجزیہ نگار مسلسل میڈیا پر نظر آتے ہیں جو اپنے فرائض کو بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اس پر آشوب دور میں اگر سوشل میڈیا نہ رہا ہوتا تو بہت سے ضروری مسائل کو طاق نسیان کی زینت بنا دیا گیا ہوتا اور حقائق کا گلا گھونٹ دیا جاتا، مطالبات کو ٹھنڈے بستوں میں باندھ کر زینت طاق بنا دیا جاتا۔ مگر کچھ ایماندار صحافیوں اور تجزیہ نگاروں نے سوشل میڈیا کے سہارے حقائق سے پردہ داری کا کام بہت ہی بہادری سے انجام دیا اور آج بھی اپنا فرض نبھا رہے ہیں۔ اگرچہ اس راہ میں انہیں بسا اوقات غیر آئینی اور غیر اخلاقی حالات کا سامنا بھی کرنا پڑ رہا ہے۔

کورونا وبا جب شباب پر تھی تو دنیا نے دیکھا کہ معدودے چند کے علاوہ لاتعداد چینل نے سوشل میڈیا کے سہارے تڑپتی انسانیت، سسکتی آدمیت کی آہ و فغاں، سرد کمروں میں مصروف عیش ذمہ داروں اور حکام تک پہنچانے کا اہم فریضہ انجام دیا یا۔ جب سانسیں مصنوعی آکسیجن کی محتاج تھیں، مائیں اپنے جگر کے ٹکڑوں کے علاج کے لیے در در بھٹک رہی تھیں، عورتیں اپنے سہاگ کی حفاظت کے لئے منت سماجت کر رہی تھی شمشان گھاٹ میں مردوں کے آخری رسومات کے لیے لوگ پریشان تھے، قبرستان میں لاشوں کے انبار تھے، ایسے میں محکمہ صحت و طبی مراکز کے ذمہ دار حقائق پر پردہ ڈال رہے تھے، سچائی کا سامنا کرنے سے کترا رہے تھے، ہر طرف چیخ و پکار فریاد و فغاں، ہر ذی روح سہما سہما ہوا تھا لوگ اپنے آغوش کے پالوں سے دوری بنا رہے تھے، ایسے پر خطر ماحول میں مکر و فریب، جھوٹ اور دسیسہ کاریوں کا سینہ چیر کر حقائق نکال لانے کا مجاہدانہ عمل سوشل میڈیا نے انجام دیا ہے۔ کورونا کے وبائی دور میں سوشل میڈیا کا ایک چہرہ بڑا ہی بھیانک نظر آیا ہے جس میں میڈیا نے اپنی ذمہ داریوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے افواہوں کے ذریعے رائے عامہ کو مشتعل اور لوگوں کو خوفزدہ کرنے اور بے بنیاد خیالات و تصورات کو جنم دینے کا کردار نبھایا جو نہ صرف یہ کہ غیر آئینی ہے بلکہ غیر انسانی بھی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ غم دیدہ، زخم خوردہ دلوں پر مرہم رکھا جاتا، مگر نہیں اس زخم کو اتنا کریدا کے وہ ناسور بننے لگا اور نفسیات کے ماہرین نے صلاح دینا شروع کر دیا کہ لوگوں کو چاہیے کہ خود کو سوشل میڈیا کی خبروں سے دور رہیں ورنہ نفسیاتی مریض ہو جائیں گے۔

سوشل میڈیا کے ذریعہ کورونا وائرس کے حوالہ سے جھوٹی اور بے بنیاد اطلاعات کی تبلیغ و ترویج زوروں پر ہے جس کا واضح سا نتیجہ یہ ہے کہ آج ویکسین کے بارے میں بھی بہت ہی غلط باتیں عام ہو رہی ہیں اور اس ویکسین کو بھی سیاس شعبدہ بازی سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالی سارے لوگوں کو مکر و فریب سے بچائے اور کورونا وبا سے تحفظ و نجات بخشے۔ از: **رحمت اللہ مصباحی**

خیر وخبر

سمنانی میاں کے لیے دعاے صحت کا اہتمام

مبارک پور اعظم گڑھ (نامہ نگار) خانقاہ اعلیٰ حضرت کے چشم وچراغ مولانا عمران رضا سمنانی کے کار حادثہ کی اطلاع پر الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے سربراہ اعلیٰ، صدر المدرسین اور جامعہ کے زمہ داران و اساتذہ نے گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے دعاے صحت کا اہتمام کیا۔ اس موقع پر سربراہ اعلی مولانا شاہ عبد الحفیظ عزیزی نے تمام مجروحین کے لیے دعاے صحت کرتے ہوئے سمنانی میاں کے لیے صبر و تسلی کے کلمات کہے۔ جامعہ کے پرنسپل مفتی بدر عالم مصباحی نے کہا کہ گزشتہ شب بعد نماز مغرب اس افسوس ناک حادثہ کی اطلاع ملی جس سے دل بہت رنجیدہ ہوا۔ جامعہ ہذا میں سمنانی میاں کی صحت و سلامتی کے لیے باضابط دعاخوانی کی گئی۔ واضح رہے کہ اورنگ آباد سے تقریباً 5 کلو میٹر دور اورا میں سمنانی میاں کار حادثہ کے شکار ہو گئے تھے۔ اطلاع کے مطابق سر پر شدید چوٹ لگی ہے۔ صدر ہاسپٹل، اورنگ آباد میں فوری داخل کرایا گیا، جہاں سے ڈاکٹروں نے بنارس کے لیے ریفر کر دیا۔

مولانا مسرور عالم کے انتقال پر تعزیتی نشست

جامعہ اشرفیہ درجۂ فضیلت کے طالب علم مولانا مسرور عالم مصباحی ساکن موضع موہنیاں بائسی بہار کے اچانک انتقال پر جامعہ کے مہمان خانہ میں ایک تعزیتی نشست کا اہتمام کیا گیا جس میں مولانا محمد اعظم مصباحی اور جامعہ کے نگراں ماسٹر فیاض احمد عزیزی نے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مولانا مسرور عالم مصباحی جامعہ کے ایک محنتی، خوش اخلاق اور صوم وصلاۃ کے پابند طالب علم تھے، انھیں اسی برس دستار فضیلت سے نوازا جانے والا تھا لیکن اس سے پہلے ہی وہ اپنے اساتذہ، والدین اور جملہ احباب کو داغ مفارقت دے گئے جس سے ہمیں قلبی صدمہ پہنچا ہے۔ اس موقع پر اساتذہ، ذمہ داران اور طلبہ نے مرحوم کے لیے دعاے مغفرت اور پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعائیں کیں۔

علماء ومشائخ پر مشتمل وفد کی الجامعۃ الاشرفیہ میں آمد

ذمہ داران واساتذہ سے ملاقات کے دوران مختلف امور پر تبادلۂ خیال، جامعہ کا ایک جائزہ

مبارک پور، اعظم گڑھ: مرکزی دینی درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں آج کرناٹک سے علما و مشایخ پر مشتمل ایک وفد نے آکر یہاں کی تعمیر وترقی، درس وتدریس کا جائزہ لینے کے ساتھ ہی ذمہ داران ادارہ بالخصوص جامعہ اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ علامہ الشاہ عبد الحفیظ عزیزی، صدر المدرسین مفتی بدر عالم مصباحی، ماہنامہ اشرفیہ کے چیف ایڈیٹر مولانا مبارک حسین مصباحی اور دیگر اساتذہ سے مختلف امور پر تبادلۂ خیال کرنے کے ساتھ ہی طلبہ سے بھی بات چیت کی۔ اس وفد میں تحریک جماعت اہل سنت کرناٹک کے صدر حضرت مولانا پیر سید محمد تنویر ہاشمی، جنرل سکریٹری مولانا مفتی محمد علی قاضی مصباحی، نائب صدر مولانا قاضی سید شمس الدین، جوائنٹ سکریٹری مولانا نیاز عالم قادری اور رکن مولانا بشیر احمد قادری شامل تھے۔

انھوں نے حافظ ملت کے مزار پر حاضری دے کر گلہائے عقیدت پیش کیے۔ پھر باون ایکڑ میں پھیلی ہوئی جامعہ کی مختلف عمارتوں جیسے عزیز المساجد، سنٹرل بلڈنگ، دار الافتا، ٹیچر کالونی، فارن ہاسٹل، امام احمد رضا لائبریری، ڈائننگ ہال، دار التجوید اور دار الاقامہ وغیرہ کا جائزہ لے کر اپنی قلبی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے مشترکہ تاثرات میں کہا کہ جامعہ اشرفیہ دنیاے اہل سنت کی مرکزی درس گاہ ہے، جہاں کے فارغین ہزاروں کی تعداد میں دنیا کے ہر گوشہ میں پھیل کر دین اسلام کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ملحوظ رہے کہ وفد نے مفتی بدر عالم مصباحی کو جامعہ کا صدر المدرسین بنائے جانے پر گل پوشی کر کے مبارک باد پیش کی۔ اخیر میں مفتی بدر عالم مصباحی نے وفد کو دعائیہ کلمات سے نوازا اور کہا کہ جو ذمہ داری مجھے دی گئی ہے آپ لوگ دعا کریں کہ اسے بحسن وخوبی انجام دے سکیں۔

از: **رحمت اللہ مصباحی**۔ نمائندہ روزنامہ انقلاب، بنارس

Sep. 2021

R.N.I. No. 29292/76 Regd. No. AZM/N.P.2

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur Azamgarh (U.P.) 276404 (INDIA) Ph. (o5462) 250149, 250092, Fax-251448

اَلجَامِعَۃُ الاَشرَفِیَہ مُبَارَک پُور

اہلِ سنت وجماعت میں محتاجِ تعارف نہیں، اس کی دینی علمی اور تعلیمی خدمات ہر طرف روشن ہیں، تعلیمی اور تعمیری امور سے متعلق بے پناہ ضرورتیں سامنے ہیں، آپ حضرات سے گذارش ہے کہ حسب ذیل ذرائع سے اپنی رقوم ارسال فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل آپ کو دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین

عبدالحفیظ عفی عنہ
سربراہِ اعلیٰ
الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ (یوپی)

(Tel.) - 05462-250092 (Mob. No.) 9450109981 Mahnama Ashrafia: 05462-250149
Fax No. 05462-251448 (Mumbai Office) 022-23726122
(Delhi Office) Tel. 011-23268459, Mob.No. 9911198459
www.aljamiatulashrafia.org Email: info@aljamiatulashrafia.org

(For Education)

(1) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom
Central Bank of India
A/C 3610796165
IFSC. Code: CBIN 0284532

(2) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom
Union Bank of India
A/C 303001010333366
IFSC. Code: UBIN 0530301
Branch Code: 530301

(3) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom
Oriental Bank of Commerce
A/c 05752010021920
IFSC. Code: ORBC 0100575
SWIFT Code: ORBCINBBIBD

(For Construction)

(1) Aljamiatul Ashrafia
Central Bank of India
A/c 3610803301
IFSC. Code: CBIN 0284532

(2) Aljamiatul Ashrafia
Union Bank of India
A/c 303002010021744
IFSC. Code: UBIN 0530301
Branch Code: 530301

(3) Aljamiatul Ashrafia
Oriental Bank of Commerce
A/c 05752010021910
IFSC. Code: ORBC 0100575
SWIFT Code: ORBCINBBIBD

(3)- FCRA. Registration No.- 136250051
Nature:- Educational Social
Darul Uloom Ahle Sunnat Madarsa Ashrafia Misbahul Uloom
Oriental Bank of Commerce- A/C 05752010031950
IFSC. Code ORBC 0100575, SWIFT Code. ORBCINBBIBD

(1)- Exempted u/s 80G, (5) (VI), of Income Tax Act. 1961, Vide File No. Aa.Ayukt/Gkp/80G, Redg. S.No. 178/2011-12 Dt. 30/8/2011 w.e.f A.Y 2012-13 (F.Y.2011-12)
(2)- Exempted u/s 12A, Vide Letter No. 177/2011-12